ماہنامہ
طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
لاہور
جون 2013ء

رکوع وسجود وعبادت کا مقصد

جب ذہنِ انسانی اپنے عہدِ طفولیت میں تھا تو وہ (بچے کی طرح) محسوس اشیاء ہی کو سمجھتا تھا اور اپنے خیالات کا اظہار بھی محسوس طور پر کرتا تھا۔ آج کل کی علمی اصطلاح میں یوں کہئے کہ اس کا علم (Sense Perception) یعنی حواس کے دائرہ میں محدود تھا۔ وہ ہنوز تصورات (Concepts) کے ذریعے حصولِ علم یا اظہارِ خیالات کی منزل تک نہیں پہنچا تھا۔ یعنی وہ (Formalism) کی منزل میں تھا۔ اس نے ''خدا'' کے لئے محسوس پیکر تراش رکھے تھے۔ پوجا پاٹ کے طریق اور دیگر مذہبی رسوم و تقاریب میں بھی سارا زور شکل (Form) پر دیا جاتا اور اسے ہی مقصود بالذات سمجھا جاتا تھا۔

قرآن کریم نے اپنی تعلیم میں انسان کو عہدِ طفولیت سے نکال کر سن شعور اور بلوغت میں لا کر مخاطب کیا ہے۔ وہ علم بالحواس کے ساتھ تصوراتی علم پر بھی زور دیتا ہے اور دین کے معاملہ میں بھی شکل کی بجائے معنویت (مقصود و مفہوم) کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے لیکن وہ شکل کو بالکل ترک نہیں کرتا۔ عبادات میں رکوع وسجود میں انسان سچ مچ اپنا سر خدا کے سامنے جھکاتا ہے۔ جسم کی ان حرکات و سکنات کے پیچھے ایک فلسفہ کارفرما ہے جسے دورِ حاضر کی اصطلاح میں متوازیت (Parallelism) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس (Mind) کے ارادے اور اس کے جسم کی حرکت میں گہرا تعلق ہوتا ہے اور یہ دونوں متوازی چلتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کو تصورات کی تعبیر کے لئے شکل (Form) کے بغیر نہ چارہ ہوتا ہے' نہ تسکین۔ بڑے سے بڑا تصوراتی مفکر بھی جب بات کرتا ہے تو اس کے ہاتھ' پاؤں' سر' آنکھ کی حرکات ناگزیر ہوتی ہیں۔ وہ ان محسوس اشارات کے بغیر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا۔ (وہ اس طرح مجرد حقائق (Abstract Truths) کو بھی محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے) یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے (Form) سے اس قدر بلند ہو جانے کے باوجود' بعض مقامات میں اسے باقی رکھا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کا اس طرح خدا کے سامنے سر جھکا دینا' اس کے اس جذبہ اور ارادہ کا محسوس مظاہرہ ہوگا کہ وہ قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ یعنی وہ خدا کی کامل اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ یہ ''محکومی'' درحقیقت' زندگی کی بلند' مستقل اقدار کو

ازخود اپنے اوپر عائد کرنا ہوتا ہے۔ کسی کی خارج سے عائد کردہ پابندیاں نہیں ہوتیں۔ نہ ہی اس میں (Worship) کا وہ مفہوم ہوتا ہے جسے زمانہ قدیم کے انسان نے' فطرت کی قوتوں سے ڈر کر' انہیں خوش کرنے کے لئے' اپنے ذہن سے وضع کیا تھا۔ اگر انسان کا محسوس سجدہ اس کے اس پرخلوص جذبہ کا بیساختہ مظہر نہیں اور محض (Form) ہی (Form) ہے' تو اس سجدے کے کوئی معنی نہیں۔ درحقیقت رکوع وسجود وعبادت کی روح انسان کے جذبہ فرماں پذیری اور اطاعت کے محسوس مظہر ہیں۔ اگر انسان خدا کی اطاعت تو نہ کرے اور صرف اس محسوس شکل کو مقصود بالذات سمجھ لے' تو نہ صرف خدا کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں بلکہ قرآن کریم کے الفاظ میں انسان کے لئے تباہی کا موجب ہے۔ قرآن کریم میں ان محسوس ارکان (Form) کی تھوڑی سی شکل صلوٰۃ اور حج کی تقاریب میں باقی رکھی گئی ہیں اور وہ بھی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی عمل ہیں۔ جن میں ضروری ہوتا ہے کہ ان کی محسوس شکل میں یک جہتی اور ہم شکلی ہو۔ یہ اجتماعی شکل نزول قرآن کے وقت میں' نبی اکرم ﷺ اور جماعت مومنین میں رائج تھی اور مساجد میں ادا کی جاتی تھی۔ جس طرح سجدہ سے مراد صرف سر کو زمین پر رکھنا نہیں بلکہ اس سے مفہوم قوانین خداوندی کے سامنے سر جھکا دینا بھی ہے' اسی طرح مسجد سے بھی بالخصوص وہ عمارت نہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں لیا جاتا تھا جو اس نظام کا مرکز ہو جس کی رو سے قوانین خداوندی کی اطاعت کی یا کرائی جائے۔ اس میں اسلامی مملکت کے مختلف امور سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' کے معنی اطاعت کے ہیں اور دنیا کا کوئی کام جو قوانین خداوندی کے مطابق کیا جائے عبادت ہو جاتا ہے۔ اجتماع صلوٰۃ بھی چونکہ قانون خداوندی کی اطاعت ہے اس لئے وہ بھی عبادت ہے۔ ''عبادت'' کے لئے کسی ایسے الگ مکان کی ضرورت نہیں جس میں اور کچھ نہ کیا جا سکے۔

عبادت کا مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ملحوظِ نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ:

(1) قرآن میں جہاں اللہ کی عبادت کا ذکر ہوگا' اس کے معنی قوانین خداوندی کی برضا و رغبت اطاعت ہوں گے (1:5)۔

(2) قرآن میں جہاں طاغوت اور شیطان کی عبادت کا ذکر ہوگا' اس سے مفہوم یا تو انسانوں کے خود اپنے جذبات یا من دون اللہ' باطل پرست مذہبی پیشواؤں کی اطاعت ہوگی' ان سے منع کیا گیا ہے (30:13, 19:44)۔

(3) قرآن میں جہاں بتوں یا دیوی دیوتاؤں کی عبادت کا ذکر ہوگا' وہاں مفہوم ان کی توہم پرستانہ پرستش ہوگا (19:42)۔

(4) قرآن میں عبادُ الرَّحمٰن کے معنی ہیں وہ لوگ جو زندگی کی ہر سانس میں قوانین خداوندی کی اطاعت کریں (51:56)۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بینک آف پاکستان،
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ کوڈ (0465) لاہور

جون 2013ء | جلد 66 | شمارہ نمبر 6

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق
ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس
عطاء الرحمٰن ارائیں

انتظامیہ
قائم مقام چیئرمین
محمد اکرم راٹھور
ناشر
عطاء الرحمٰن ارائیں

مدیر انتظامی
محمد سلیم اختر

قانونی مشیر
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

قیمت فی پرچہ
-/30 روپے
بدل اشتراک سالانہ
-/350 روپے

بیرونِ ملک
2300 روپے
کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا
2500 روپے

25-B, Gulberg 2, Lahore-54660, Pakistan
Phone: 35714546 Fax: 35764484
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے۔

پرنٹرز: یمانی پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور۔

Naveed Graphic 5.5x8 1c

فہرست

لمعات: 'بزم' میں اِک چراغ تھا نہ رہا	محمد اکرم راٹھور (قائم مقام چیئرمین ادارہ طلوع اسلام)	3
مقبول محمود فرحت (لندن) کی یاد میں !!!!!!	پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی (ایگزیکٹو ہیڈ طلوع اسلام ٹرسٹ)	4
ماموں مقبول	محمد اشفاق (سیالکوٹ کینٹ)	6
تعزیتی پیغام	بزم کویت	9
ایک عالی دماغ تھا نہ رہا	سید ندیم حسین نمائندہ بزم طلوع اسلام (اوسلو)	9
قراردادِ تعزیت	خادم ملک چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی (ناروے)	10
A life Sketch of Maqbool Mahmmod Farhat	Ajmal Mahmood	11
گرینڈ یونیفائڈ تھیوری	راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)	12
پرویز صاحب کا نظریۂ قرآن کریم	منظور حسین لیل۔ بھکر	24

ENGLISH SECTION

Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an	**By G. A. Parwez**	
Parah 29: Chapter 13	**(Translated by: Dr. Mansoor Alam)**	**46**

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب' دروس القرآن کی تمام جلدیں' اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز' 42' دی مال (ریگل چوک)' لاہور۔ فون: 042-37312977' موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو' اردو بازار' کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی' اردو بازار' کراچی۔ فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ' اردو بازار' کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز' اردو بازار' کراچی۔ فون: 021-32214259
6- علمی کتاب گھر' اردو بازار' کراچی۔ فون: 021-32628939	7- مکتبہ دارالسلام' اردو بازار' کراچی۔ فون: 021-32212269
8- مکتبۂ دارالقرآن' اردو بازار' کراچی۔	9- محمد علی' کارخانہ اسلامی کتب' اردو بازار' کراچی۔ فون: 021-32631056
10- ایوانِ کتب' اردو بازار' لاہور' فون: 0321-8836932	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ادارہ

لمعات

'بزم' میں اِک چراغ تھا نہ رہا

نمائندہ بزم طلوع اسلام لندن محترم مقبول محمود فرحت صاحب کا انتقال تحریک طلوع اسلام کے لئے یقیناً ایک ایسا نقصان ہے جو کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

مقبول محمود فرحت صاحب جنہیں مرحوم کہتے ہوئے دِل دُکھتا ہے ہمیشہ طلوع اسلام کے معاملات میں رہنمائی فرماتے تھے اور اِدارہ کے مختلف پراجیکٹس میں ہر طرح سے ممد و معاون رہتے۔ ادارہ طلوع اسلام سے ان کا نصف صدی سے زائد کا تعلق تعاون اور تحرک سے بھرپور ہے۔ حال ہی میں انہوں نے ادارہ طلوع اسلام کے تحت شائع ہونے والے پمفلٹس میں سے متعدد جو کہ آؤٹ آف اسٹاک تھے، چھپوانے کے لئے کہا تھا۔ نیز مرحوم ہر سال ایک سو کالجز، سکولز کی لائبریریوں کے لئے ادارہ طلوع اسلام کا آرگن ''ماہنامہ طلوع اسلام'' اپنی بزم کے خرچ پر جاری کرواتے تھے۔ ملک کے دانشور طبقہ میں صحافی اور وکلاء حضرات جو طلوعِ اسلام ماہنامہ پڑھنے میں دلچسپی رکھتے ہوں ان کو بھی رسالہ اور پمفلٹ وغیرہ اپنی بزم کے خرچ پر بھجوانے کا حکم فرماتے تھے۔ یقین ہے کہ بزم طلوع اسلام لندن اور اسلامک ڈان سوسائٹی ادارہ طلوع اسلام کے تحت ہونے والے یہ کام اور پراجیکٹس جاری رکھے گی۔

زیر نظر مجلّہ طلوع اسلام اشاعت جون 2013ء میں مقبول محمود فرحت صاحب کے سوانح حیات کے متعلق مختلف آرٹیکلز اور تعزیتی پیغامات شامل اشاعت کئے جا رہے ہیں تاکہ مرحوم کے حالاتِ حیات سے مزید آگہی ہو سکے۔ متعدد احباب نے مرحوم کی وفات پر ادارہ کو تعزیتی پیغامات ارسال کئے ہیں جن کو من و عن شامل اشاعت کرنا ممکن نہیں ہے۔ خواجہ ازہر عباس، عارف کسانہ (سویڈن)، خالد سیّد (یوکے)، خان محمد حنیف (یوکے)، راحت خان (ٹورانٹو)، آصف جلیل (کراچی)، جعفر حسین، افتخار احمد (لندن)، سید ندیم حسین (اوسلو)، ظفر اے خان (ڈنمارک)، اورنگ زیب، اکبر مشتاق (یوکے) اور پروفیسر اقبال چاولہ صاحب نے تعزیتی پیغامات ارسال کئے ہیں جس کے لئے ادارہ ان کا شکر گزار رہے۔

غم گسار

محمد اکرم راٹھور

قائم مقام چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ طلوع اسلام ٹرسٹ

مقبول محمود فرحت (لندن) کی یاد میں !!!!!!

21 اپریل کے دن محترم مقبول محمود فرحت کی وفات کی اطلاع سن کر دلی صدمہ ہوا۔ گذشتہ چند ماہ سے وہ اگرچہ بیمار تو خاصے زیادہ رہنے لگے تھے تاہم اُن کے اِس طرح چلے جانے کا احساس نہیں تھا۔ شاید اِس لئے کہ وہ آخری دنوں تک رابطوں میں رہے اور فون پر اپنے منصوبہ جات سے متعلق ہدایات جاری فرماتے رہتے تھے۔ جو لوگ اُن سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک مشن اور مقصد کے تحت زندگی گذاری۔ اُن جیسی صاحبِ نظر، جذبہ اور خلوص سے بھرپور اور اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کر دینے والی ایک بھی شخصیت نہیں ہے۔ اُن کی وفات سے اِس محاورہ کا مکمل مفہوم سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے پیچھے جو خلا چھوڑ گئے ہیں وہ کبھی پُر نہیں ہوگا۔

قرآنی فکر اور بالخصوص طلوعِ اِسلام ٹرسٹ کے لئے اُن کی خدمات اِتنی زیادہ ہیں کہ اُن کا شمار ممکن نہیں۔ الفورڈ لندن میں اُن کا گھر کم وبیش نصف صدی سے بزمِ طلوعِ اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ متلاشیانِ حق دنیا بھر سے اُن کے ہاں آتے اور اپنی مطلوبہ کتب اور معلومات حاصل کرتے۔ اپنی وضع داری اور خاطر تواضع کیلئے وہ بہت مشہور تھے۔ ایسے مہمانوں کی حسبِ موقع نہ صرف خاطر مدارت کرتے بلکہ اسٹیشن تک پک اور ڈراپ کی سہولت بھی آفر کرتے۔ پوری دنیا میں فکرِ قرآنی کے وابستگان سے روابط رکھنے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے اور ہر ایک کے دکھ سکھ میں پورے تقاضوں اور خلوص کے ساتھ شامل ہوتے۔

پاکستان میں تعلیم کے حوالہ سے خدمات اُن کی زندگی کا اہم باب ہے۔ حکیم محمد سعید شہید کے ساتھ مل کر انہوں نے نونہالوں اور بالخصوص مستحق بچوں کی تعلیم کے لئے بے پناہ کام کیا۔ ذاتی طور پر یا بزمِ لندن کے ذریعہ بے شمار طالبعلموں کی وہ مالی معاونت کرتے۔ ایسے تمام طالبعلموں سے اپنے پاکستان کے دورہ کے موقع پر ملنے کے لئے وقت نکالتے اور اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اب بھی پاکستان میں کئی سکول اور سینکڑوں مستحق بچے اُن کے تعاون سے اپنا تعلیمی سلسلہ برقرار رکھے ہوئے ہیں جس کے لئے وہ اپنے خاندان اور رفقاء کو متواتر مالی تعاون کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔

مقبول فرحت صاحب نے ہر موقع پر ہمیں عِلمی، فکری، اِنتظامی راہنمائی کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت مالی تعاون سے بھی نوازا۔ علامہ پرویز کے رُشحاتِ قلم کو انگلش میں منتقل کرنے کے پراجیکٹ اُن ہی کے بھرپور تعاون اور راہنمائی کے طفیل جاری وساری ہیں۔ اُن کی قابلِ تقلید خدمات کے پیشِ نظر طلوعِ اِسلام ٹرسٹ نے اگرچہ حال ہی میں انہیں اپنے بورڈ کا متفقہ طور پر ممبر منتخب کیا تھا تاہم وہ سالہا سال سے ٹرسٹ کے بین الاقوامی سفیر کی طرح مصروفِ کار رہتے۔

قرآنی فکر کی وسعت آشنائی، زندگی بھر اُن کا مشن رہا۔ برطانیہ میں ہونے والی ہر اہم مسلم کانفرنس میں شمولیت کی کوشش کر کے حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہتے اور اپنا نقطہ نظر بھی حاضرین تک پہنچاتے۔ جنوری 2013 میں اُن کا آخری مضمون آکسفورڈ مسلم کانفرنس

کی تفصیلی کاروائی کے حوالہ سے ماہنامہ طلوعِ اسلام اور دیگر جرائد میں شائع ہوا ہے۔ وہ ایک وقائع نگار ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مضمون نگار بھی تھے۔ اسی سال اُن کی کتاب ''مضامینِ قرآن: قرآن اپنے آئینے میں'' کا تیسرا اور اضافہ شدہ ایڈیشن شائع ہوا تھا۔

اپنی وفات سے چار دن قبل انہوں نے ہسپتال سے فون کیا اور کتب کے انگریزی تراجم کے ضمن میں مستقبل کی منصوبہ بندی کے لئے اپنی راہنمائی سے نوازا۔ قائدِاعظمؒ کے فرمان کام' کام اور صرف کام کا وہ عملی نمونہ تھے۔ مختلف پراجیکٹس کے سلسلہ میں دنیا بھر میں پھیلے بیسیوں لوگوں سے مستقل اور مسلسل رابطہ میں رہتے اور کام کا سلسلہ آگے بڑھانے کے لئے اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ نظامِ ربوبیت' کیا قائدِاعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' مفہوم القرآن' ابلیس و آدم جیسی اہم کتب کے انگریزی تراجم کے لئے انہوں نے شبانہ روز محنت کی۔ اِن میں شامل مشاہیر کے حوالہ جات تلاش کرنے کے لئے کئی ماہ تک برٹش لائبریری لندن میں مصروفِ کار رہے۔ قائدِاعظمؒ اور پاکستان کے ضمن میں وہ چند ایسے حوالہ جات ریکارڈ پر لانے میں کامیاب ہوئے جو تحریکِ پاکستان کے محققین کے لئے نئی راہیں کھولنے کا پیش خیمہ بنے۔

تبویب القرآن کے انگریزی ترجمہ کے لئے انہوں نے ایک باقاعدہ مہم چلائے رکھی۔ کچھ ایسا ہی معاملہ لغات القرآن انگریزی ترجمہ پراجیکٹ کے حوالہ سے ہے۔ ان پراجیکٹس پر کام کا سلسلہ انڈیا' برطانیہ' پاکستان' دبئی' سویڈن اور ناروے تک پھیلا ہوا ہے۔ ایسے پراجیکٹس کے لئے وہ کئی لوگوں سے متواتر اور مستقل بنیادوں پر رابطہ رکھتے۔ مختلف لوگوں سے اُن کی صلاحیت کے مطابق جس طرح کام لیتے' اُس سے اُن کے ''مذمل'' ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

ذاتی اور خاندانی مراسم کو بڑی اہمیت دیتے۔ تقریباً ہر سال پاکستان تشریف لاتے اور ملک بھر میں پھیلے رشتہ داروں اور پرانے دوستوں کی خوشی اور غمی میں شامل ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ عمر کے اِس حصہ میں جس طرح وہ پیہم سفر اور محنت کرتے وہ نوجوانوں کے بھی بس کی بات نہیں۔ اپنے سکول پراجیکٹس کے براہِ راست مشاہدہ کے لئے انہوں نے ڈیرہ غازی خان کے ٹرائبل ایریا تک کا اعصاب شکن سفر بھی کیا اور ایبٹ آباد کے مضافاتی علاقوں کا دشوار ترین دورہ بھی۔ وہ نہ صرف اساتذہ اور طالبعلموں سے ملتے بلکہ وہاں کی کمیونٹی اور عوام سے بھی ملاقاتیں کر کے تعلیم اور علم کی اہمیت اجاگر کرتے۔

مقبول محمود فرحت ایک انسان کا نام نہیں' وہ بلاشبہ اپنی ذات میں ایک بزم' ادارہ اور انجمن تھے۔ اُن کی خدمات اتنی ہیں کہ گنتی کرنا مشکل' تحریکِ طلوعِ اسلام کے ساتھ سالہا سال پر مبنی رفاقت اور تعاون ایسا کہ مثال ڈھونڈنی ناممکن' وضعداری اور روابط نباہنا ایسا کہ تقلید کرنی محال ہے۔ غرض وہ عظیم انسانوں کی ایسی نسل تھے کہ جو اَب معدوم اور نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ انہوں نے اِس زندگی کو بھرپور نبھایا اور ایک ایک لمحہ سے اپنے مقاصد کو جیسے نچوڑ لیا۔ ایسی عظیم روحوں کے لئے کہیں روک اور رکاوٹ نہیں ہے۔ متحرک' مقصد کے ساتھ جنون کی حد تک لگن اور اُس کے حصول کیلئے تمام صلاحیتیں وقف کر دینا محترم مقبول فرحت کا ہمیشہ وطیرہ رہا اور انہی خدماتِ عالیہ اور جذبہ ہائے صادقہ کے طفیل وہ اگلی زندگی کے تقاضوں کو بھی' انشاءاللہ' بخوبی نبھائیں گے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ اِس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ فرحت صاحب کے مشن کو جاری رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا۔

پروردگار سے دعا ہے کہ اُن کی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد اشفاق (سیالکوٹ کینٹ)

ماموں مقبول

بزمِ طلوع اسلام لندن کے روحِ رواں مقبول محمود فرحت رحلت فرما گئے ہیں۔ وہ میرے ماموں تھے۔ ایک انسان میں جتنی خوبیاں ممکن ہوسکتی ہیں وہ سب اُن میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اُن کے بارے میں چند الفاظ لکھنے کو دِل چاہتا ہے مگر اُن کی شخصیت کے سامنے الفاظ چھوٹے اور ماند پڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ماموں مقبول میری امی کے پھوپھوزاد بھائی تھے مگر اُنہوں نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ میری امی کے کزن (Cousin) تھے۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ بچپن اپنے مشترکہ خاندانی ماحول میں تمام کزنز کے ساتھ گزارا اِس لئے اپنے بہن بھائیوں، تمام رشتہ دار اور اُن کے بچوں سے بہت پیار کرتے اور سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

اسلام سے اُن کی محبت، دین کی خدمت اور فلاحی کاموں کا شوق اُنہیں اپنے نانا مولوی محمد دین (متوفی یکم اگست 1947ء) سے ورثہ میں ملا۔ لڑکپن کا زیادہ حصہ ننہیال میں گزرا۔ اپنے نانا کی زندگی کا عکس اُن کے ذہن نشین ہوگیا۔

مولوی محمد دین (نانا مقبول محمود فرحت) 1900ء کے اوائل میں گاؤں بیگووالہ ضلع سیالکوٹ کے پڑھے لکھے اور دیندار شخص تھے۔ وہ اُس وقت گاؤں کے مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور جامع مسجد بیگووالہ کے خطیب بھی تھے۔ گاؤں کے تمام لوگوں کی بلا امتیاز مذہب وملت خدمت کا جذبہ رکھتے تھے۔ رفاہ عامہ کے تمام بڑے بڑے کاموں میں پیش پیش رہتے۔ لوگوں کی امانتیں اپنے پاس رکھتے اور اُن سے ضرورت مندوں کو بطور قرض فراہم کرتے اِس طرح اُنہوں نے گاؤں میں ایک بنک نما چھوٹا سا نظام قائم کر رکھا تھا۔ شہر جاتے تو محلّہ کے لوگوں کی تمام ضروریات کی خرید وفروخت بھی کرتے۔ یہ تمام باتیں ماموں مقبول کی شخصیت میں بطور ورثہ منتقل ہوگئی تھیں۔ وقت آنے پر طلوع اسلام کے پلیٹ فارم سے لوگوں کی خدمت کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔ اِس طرح اُنہوں نے اپنی زندگی کی نصف صدی اِس عظیم مشن میں صرف کردی۔

وہ نام کے ہی مقبول نہیں بلکہ اپنے کام کے بھی مقبول تھے تحریک طلوع اسلام کے پلیٹ فارم سے اللہ نے اُنہیں بہت مقبولیت بخشی۔ جب کوئی انسان دنیا سے جائے اور ہر کوئی یہ محسوس کرے کہ جانے والا سب سے زیادہ مجھے چاہنے اور پیار کرنے والا تھا تو اِس کی مثال ماموں مقبول تھے۔ اُن کا حلقہ بین الاقوامی حلقہ تھا۔ بے شمار لوگوں سے ہر ملک میں روابط تھے۔ وہ تحریک طلوع اسلام کے بین الاقوامی سفیر تھے۔ اُن کے بڑے بڑے کارنامے سب لوگ جانتے ہوں گے میں اُن کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات جن سے

میں بہت متاثر رہا منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں۔

ماموں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لندن میں گزارا۔ بہت کمایا مگر پاکستان میں نہ تو کوئی گھر بنایا اور نہ ہی کوئی پلاٹ خریدا۔ جب بھی پاکستان آتے کراچی سے پشاور تک ایک یا دو دن تمام عزیز و اقارب کے لئے وقف کرتے۔ ہر ایک کی خیریت دریافت کرتے اور اُس کے ساتھ وقت گزارتے۔ یادگار کے طور پر ہر بار کیمرہ سے فوٹو لیتے۔ سیالکوٹ میں اُنہوں نے بہت وقت گزارا ہوا ہے۔ اکثر سیالکوٹ کے پرانے محلّہ میں جا کر ہر ایک کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور اپنے ماضی کے ایک ایک فرد کا نام لے کر پوچھتے۔ آج کل یورپ میں رہنے والا آدمی اپنے ماضی اور اپنے Roots سے کبھی اتنا جڑا دکھائی دیتا ہے؟

مئی 2009ء میں میرے پاس سیالکوٹ دو دن کے لئے آئے۔ رات میرے پاس ہی ٹھہرے۔ کہنے لگے کہ میں اِس دفعہ تمہارے پاس اِس لئے بھی آیا ہوں کہ کل صبح مجھے بیگووالہ گاؤں اپنے نانا اور ماموں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جانا ہے۔ مجھے لے چلو گے۔ میں نے کہا جی۔ شام کو بازار گئے اور کہا ''مجھے ایک کالے رنگ کی چھوٹی ڈبیہ اور برش چاہیئے'' میں نے پوچھا کس لئے ماموں؟ کہنے لگے نانا اور ماموں کی قبر کے کتبے وقت اور موسمی اثرات سے ماند پڑ گئے ہوں گے میں وہاں جا کر اُنہیں دوبارہ نمایاں کرنا چاہتا ہوں۔

گاؤں میں تنہیال کا دو منزلہ مکان تھا۔ ایک عورت ملازمہ تھی جسے سب پھوپھی ریشم کہتے تھے۔ وہ نچلی منزل سے گھڑوں میں پانی بھر کر اوپر دوسری منزل پر زنان خانہ میں حمام اور برتنوں میں دو وقت پانی بھر کر جاتی تھی۔ وہ غیر شادی شدہ رہی' ساری عمر اُسی گھر میں گزار دی۔ ماموں کو لندن جا کر بھی پھوپھی ریشم نہ بھولی۔ ایک دفعہ اُس سے ملنے گاؤں گئے وہ کافی بوڑھی ہو چکی تھی۔ مقبول محمود کو دیکھ کر وہ پھولی نہ سمائی۔ سَر مُنہ چوما پیار کیا۔ ماموں نے واپس لندن جا کر کہیں اُس کا نام رجسٹرڈ کروایا اور اُس کے لئے ماہانہ وظیفہ کا اہتمام کیا۔ میری ڈیوٹی لگائی کہ یہ رقم پھوپھی ریشم کو باقاعدگی سے پہنچاتے رہنا۔ جب تک وہ زندہ رہی مقبول محمود کے صدقے واری جاتی رہی۔

یہ جذبہ آہستہ آہستہ اپنا دائرہ کار وسیع کرتا چلا گیا اور ماموں مقبول پوری دنیا میں ایسے مستحقین کی تلاش میں پھرتے رہتے اور اُنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کی مالی معاونت کرتے رہتے۔

بچوں کے لئے اُن کے دل میں ایک خاص نرم گوشہ تھا۔ ہر بچے کا خیال رکھتے اور واپس لندن جا کر بھی اُسے یاد رکھتے کہ کس بچے کو دوا کی ضرورت ہے اور کس بچے کو فلاں کتاب کی ضرورت ہے۔ دونوں چیزیں باقاعدہ بذریعہ ڈاک اپنے خرچ پر ارسال کرتے۔ سب بچوں کی تعلیم و ترقی اور مستحق بچوں کے لئے خصوصی طور پر ہر وقت کوشاں رہتے۔ اُن کے اِسی جذبہ کو سراہتے ہوئے بچوں کے لئے دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ ''بڑا آدمی کون؟'' محترمہ ثریا کوثر قیصرانی نے مقبول محمود فرحت کے نام کیا۔ یہ مجموعہ 2004ء

میں شائع ہوا۔

ماموں مقبول 1958ء میں پہلے اپنے ماموں کے پاس قبرص (Cyprus) گئے وہاں سے اپنے ایک ماموں زاد بھائی کے ہمراہ بذریعہ بحری جہاز انگلستان پہنچے۔ وہاں ملازمت کے ساتھ ساتھ اُسی وقت اُنہوں نے اپنی زندگی کے خاص مقصد کے لئے ایک واضح سمت متعین کر لی تھی۔ قرآنی فکر اور مطالعہ میں شب و روز ایک کر دیئے۔ تقریباً اپنی زندگی کی نصف صدی قرآنی فکر کی ترویج و اشاعت اور فلاحی و رفاہی کاموں کی تکمیل میں صرف کر دی یوں اپنی زندگی کا تین چھوتھائی حصہ پردیس میں ہی گزار دیا۔ یہاں تک کہ اپنا آخری مسکن بھی لندن کو ہی چنا۔

بظاہر اُنہوں نے اپنی زندگی مغربی معاشرے میں ہی گزاری مگر ذہن کو ہمیشہ قرآنی فکر سے مربوط رکھا۔ علامہ اقبال کا بھی یہی طرز فکر تھا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اپنے مشن پر ہمہ وقت گامزن شہرِ اقبال کا یہ سپوت اقبال ہی کے یومِ وفات پر 21 اپریل 2013ء کو اپنی ابدی زندگی میں منتقل ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ماموں مقبول محمود فرحت کو اپنے خاص رحم و کرم کے صدقے جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں اُن کی طرح مستقل مزاجی سے قرآنی فکر کی توفیق دے اور اِس راستہ پر گامزن رکھے۔ آمین

☆.....☆.....☆

Event in memory of the late Maqbool M Farhat organised by members of Islamic Dawn Society (Bazm London)

An opportunity to meet, network and advance the cause of propagating Qur'anic thought and activism

Saturday 13 June 2013
6.00 - 10.00 pm
Katherine Road Community Centre
254 Katherine Road, East Ham, London E7 8PN

Contact:
Councillor Shama Ahmed (07786114563)
Naeem Sadiq (07838833834)
Ghulam Abbas (07958594642)
Iftikhar Ahmed (07833432372)

Free accommodation available for guests from outside London

RSVP via email: info@islamicdawnsociety.com
info@islamicdawnsociety.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعزیتی پیغام

مقبول فرحت صاحب کی رحلت کی خبر ہمارے لئے ایک صدمہِ جانکاہ اور گہرے دُکھ کا باعث بنی۔ تمام عمر شمعِ قرآنی سے راہیں روشن کرنے والا راہیِ ملکِ عدم ہوا' وہ ستارہ جس نے ان گنت مسافروں کو جہانِ قرآن کا رستہ دکھایا آج اپنی آخری منزل کو روانہ ہوگیا۔ یہ دنیا ایک بہترین انسان سے خالی ہوگئی۔ تحریکِ طلوعِ اسلام ایک بہت ہی مخلص اور سچے کارکن سے محروم ہوگئی۔

ان کی خوبیوں کو چند الفاظ میں سمو یا نہیں جا سکتا اور نہ ہی ان کی قرآنی زندگی کا احاطہ چند سطور میں ممکن ہے' ان کے گھر کے دروازے متلاشیانِ حق کے لئے ہمیشہ کھلے رہے' سوالی سوال کرتے اور مطمئن لوٹتے۔ بے شمار طالب علم جو ان کے دستِ شفقت تلے اپنے تعلیمی مراحل طے کر رہے تھے آج اس شفیق ترین ہستی سے محروم ہوگئے۔

کیا حسین توشہِ آخرت ہے جو مقبول فرحت صاحب کے ساتھ ہے۔ دل میں ایثار' قربانی' سچائی اور ہاتھ میں قرآن لئے اب وہ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہیں۔ یقیناً وہاں بھی تحسین و آفرین ان کی منتظر ہوگی۔ آیئے ہم سب اس دنیاوی زندگی سے انہیں الوداع کہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

والسلام

بزم کویت

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سید ندیم حسین
نمائندہ بزم طلوع اسلام (اوسلو)

ایک عالی دماغ تھا نہ رہا

بزمِ طلوع اسلام اوسلو' ناروے نے یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی۔ مرحوم واقعی طلوع اسلام کی زندہ تاریخ تھے۔ طلوع اسلام کے لئے ان کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا طلوع اسلام ہی تھا۔ میں ان سے بالمشافہ ملاقات کی سعادت سے محروم رہا لیکن فون پر اُن سے بہت دفعہ بات ہوئی۔ میں بہت سے پیچیدہ معاملات ان سے ڈسکس کرتا رہا۔ انہوں نے ہمیشہ ایک شفیق بزرگ کی حیثیت سے میری رہنمائی کی۔ میں نے بہت سے فیصلے ان کی رہنمائی سے کئے۔ وہ اس پیرانہ سالی میں بھی جواں ہمت تھے۔ موت سے کسی انسان کو مفر نہیں قدرت کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور ان کے پس ماندگان اور طلوع اسلام کو یہ عظیم نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ اور ہمت دے۔ نیز یہ بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے راستے پہ چلتے ہوئے قرآنی فکر کے لئے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خادم ملک
چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی (ناروے)

قراردادِ تعزیت

محترم مقبول محمود فرحت صاحب کے انتقال کی اچانک اطلاع کسی صدمے سے کم نہ تھی۔ فکرِ قرآنی کے سلسلہ میں، کتب کی اشاعت ہو، پمفلٹس کی اشاعت ہو، تراجم کے مراحل ہوں، نونہالوں کی تعلیم ہو یا کسی مستحق کی مدد، نیز کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں موصوف نے اپنا بھرپور کردار ادا نہ کیا ہو۔ روابط کے سلسلہ میں بھی کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے اور اس سلسلہ میں فوری رابطہ کرتے اور اپنا موقف بیان کرتے اور ایک اچھا مشورہ دیتے۔

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے لغات القرآن کو انگریزی میں منتقل کرنے کے پراجیکٹ کی جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار بھی کیا اور فوری طور پر اس پراجیکٹ میں متحرک ہو گئے اور اپنی قیمتی آرا سے نوازا۔ پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں محترم خالد سیّد کا دستِ تعاون بھی انہیں کا مرہونِ منت ہے۔

بلاشبہ تحریک طلوع اسلام کے لئے موصوف کی خدمات ناقابل شمار اور ایک بہت بڑا اثاثہ بھی تھیں۔ اور اب ان کی کمی اس تحریک کے لئے ناقابل تلافی نقصان بھی۔ محترم مقبول فرحت صاحب ہم سے جدا ہو کر بھی ہمارے دلوں میں بسے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ سے استدعا ہے کہ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی اُن کے اچھے کاموں کی تقلید کر سکیں۔

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی یہ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اُن کے اہل خانہ اور اُن کے بے شمار رفقا کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆.....☆.....☆

تصحیح

ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت مئی 2013ء میں خواجہ ازہر عباس صاحب کا ایک مضمون ''لوحِ محفوظ'' شائع ہوا ہے۔ رسالہ کے صفحہ نمبر 34 کی پانچویں سطر میں ایک جملہ یوں درج ہو گیا ''جو ہماری زمین سے بھی کئی گُنا بڑا ہے''۔ براہِ کرم اسے یوں پڑھا جائے۔ ''جو ہمارے ملک سے بھی کئی گُنا بڑا ہے''۔

ادارہ

A life Sketch of

Maqbool Mahmood Farhat

(Ajmal Mahmood)

Mr Maqbool Mahmood Farhat S/O Abdul Karim Hasrat was born at Sialkot on 17-1-1931. He was commonly known as Farhat amongst his friends. His grandmother was head mistress of a girls school in Sialkot. He got his basic education at Islamia High School Sialkot and then from Murray College Sialkot. He also studied at FC College Lahore. His father being from Indian Army, he travelled and lived at various cantts like Lahore, Bannu, Kutni near Jubulpur, India, Quetta, Rawalpindi and Harbunspura near Lahore

In 1958, he moved to Cyprus for business along with his two uncles. After staying there for about 2 years, he moved to London UK along with his cousin Mr Akram and ever since then he lived there, of course paying visits to Pakistan after every two, three years.

Mr Maqbool was a widely travelled person. He visited India, Egypt, Spain, France, Italy, Bahrain, Saudi Arabia, USA, Canada, Cyprus and Brunei.

He joined Tolu-e-Islam in 1961 and remained an active member all his life. He wrote a book “Quran Apney Aieenay Mey”. He travelled in remote areas of Pakistan including Sindh, and Baluchistan where he helped opening of children schools, donating books, funds and starting laboratories for the schools. He was a very kind hearted and humble person. He never forgot his old friends of childhood even if they were poor and unknown persons. Whenever he visited Pakistan he made sure that he met all those old friends and their children and revived old memories with them. He quietly used to extend financial help for the poor from his own pocket. He breathed his last on 21 April 2013. He is survived by his wife, a son and a daughter.

Address

76 Park Road , Ilford , Essex , UK.
0044-2085531896

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

آخری قسط

گرینڈ یونیفائڈ تھیوری

Grand Unified Theory

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی میں نوع انسانی کو آگاہ کر دیا تھا کہ انسان کو راہنمائی کے لئے اللہ کی طرف سے ہدایت ملتی رہے گی اور جس نے اس راہنمائی کا اتباع کیا وہ بلا خوف وخطر اپنی منزل تک پہنچ جائے گا۔ یہ لوگ خوف وحزن سے مامون ہو جائیں گے یعنی تمام نفسیاتی الجھنوں اور اعصابی عوارض سے بچے رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے اس حقیقت کی صداقت سے انکار کیا یا اس کی تکذیب کی تو قانون الٰہی کے مطابق ان کی سعی وعمل کی کھیتی جھلس کر رہ جائے گی (2:38)۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق ہر قوم میں انبیاء کرامؑ مبعوث ہوئے اور اللہ کی وحی کو لوگوں تک پہنچاتے رہے (35:24; 10:47)۔ حتیٰ کہ حضور نبی کریمؐ پر وحی کا یہ طریقہ مکمل ہو گیا جس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ ختم کر کے قرآنِ کریم کو قیامت تک ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ قرار دے دیا گیا (33:40)۔ انبیاء کرامؑ میں سے چند کے اسماء مبارکہ قرآن پاک میں آئے ہیں لیکن زیادہ تر نام نہیں بیان ہوئے (40:78; 4:169)۔ انبیاءؑ کے زمرے میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰؑ کا اور اقوام میں بنی اسرائیل کا تذکرہ زیادہ آیا ہے، جس کی ابتداء آدم کی تمثیلی داستان کے فوری بعد ہو جاتی ہے (2:40)۔ اِس قوم کی اصل داستان سورہ یوسفؑ میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب مصر میں حضرت یوسفؑ کا ایک غلام کی حیثیت سے ورود ہوتا ہے۔ مصری تہذیب دنیا کی سب سے پرانی تہذیب ہے۔ اس کا سیاسی ومذہبی نظام ترقی یافتہ تھا۔ قدیم مصر میں مختلف قبائل رہتے تھے جن کا کوئی مرکزی نظام نہیں تھا۔ آبادی میں اضافے سے امن وامان اور دیگر مسائل میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں منا نامی ایک سردار نے 5004 ق م میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تو ایک مرکزی حکومت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ کچھ عرصہ حکومت اس کے خاندان کے قبضے میں رہی لیکن ان کے زوال کے بعد دوسرا خاندان برسرِ اقتدار آ گیا اور یوں باری باری 332 ق م یعنی سکندر اعظم کی فتح مصر تک مصریوں کے اکتیس خاندانوں نے مصر پر حکومت کی۔ ان میں پانچ خاندان اہل فارس کے بھی شامل ہیں جنہوں نے مصر میں 129 سال تک حکومت کی۔ یونانیوں کے دَور کو بطلیموسی دور حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ 30 ق م کے قریب رومیوں نے یونانی نژاد حسین اور عیار ملکہ قیلوپطرہ کو خودکشی کرنے پر مجبور کر کے مصر پر قبضہ کر لیا۔ 313ء میں جب اہل رومہ نے عیسائیت قبول کر

لی تو دیگر تمام رومی مقبوضات کی طرح اہل مصر بھی عیسائی ہو گئے۔ بعد میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے 640ء میں اسی عیسائی حکومت کو شکست دی تھی۔ اس وقت سے مسلمان ہی حکمراں رہے ہیں۔

''اسرائیل'' دراصل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ اسی نسبت سے ان کی ذریت دنیا میں بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت یعقوب کے دو بیٹوں میں یامین اور یہودہ کی اولاد کو پہلے یہودی کہا جاتا تھا اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل' لیکن بعد میں یہ تفریق ختم ہو گئی۔ مصر میں حضرت یوسفؑ ایک غلام کی حیثیت سے آئے تھے مگر اپنے حسن سیرت اور نصرت الٰہی سے بڑی مشکلات اور سخت امتحانات سے کامیاب اور کامران رہے تو اللہ نے آپؑ کو مصر میں تمکن و اقتدار کے مناصب عطا کئے۔ بعد میں بھائیوں کو معاف کر کے انہوں نے اپنے والدین' بھائیوں اور قبیلے کے دیگر افراد کو کنعان سے مصر بلا لیا۔ جن کی تعداد تورات کے مطابق 93 افراد پر مشتمل تھی۔ کافی عرصے تک یہ لوگ مصر میں باعزت اور خوشحال زندگی بسر کرتے رہے' لیکن بعد میں حالات بدل گئے اور فراعنۂ مصر نے اس قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان پر ظلم و ستم شروع کر دیا۔ مصر کے چودھویں خاندان کے دور میں شام و عرب کے قبائل نے مل کر مصر پر قبضہ کر لیا اور پندرھویں خاندان سے ان کی حکمرانی شروع ہو گئی انہیں تاریخ نے عمالقہ (Hyksos) کا نام دیا ہے۔ اسی خاندان کے پہلے حکمران ''سلاطین'' نے پہلی دفعہ اپنا تخلص فرعون رکھا جو اس کے بعد تمام بادشاہوں کا لقب قرار پا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور بعد میں حضرت یوسفؑ اسی خاندان کے مختلف بادشاہوں کے دَورِ حکومت میں مصر آئے تھے۔ 19 ویں خاندان کے دور حکومت میں حضرت موسٰیؑ پیدا ہوئے۔ آپؑ کے بچپن کے زمانے سے رعمیس ثانی (Rameses II or Ramesses-II) مصر کا فرعون تھا۔ حضرت موسٰیؑ نے خدائی پروگرام کے مطابق فرعون کے شاہی محلات میں اپنی جوانی تک کا عرصہ گذارا۔ جب آپؑ کے ہاتھوں بے خبری اور لاعلمی کے سبب حکمراں جماعت کا ایک فرد قتل ہو گیا تو وہاں سے مدیان آ گئے۔ وہیں آپؑ کی ایک نیک شخص کی صاحبزادی سے شادی ہو گئی اور آٹھ یا دس سال وہیں گذارنے کے بعد آپؑ اپنے گھر والوں کے ساتھ واپس مصر آ رہے تھے جب آپؑ کو نبوت جیسے رتبہ جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور بنی اسرائیل کو اس کے شکنجہ غلامی سے چھٹکارا دلاؤ۔ اس حکم خداوندی کے تحت حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز غلامی کی زندگی سے نجات دلا کر وادی سینا کی آزاد فضاؤں میں زندگی گذارنے کا موقع دیا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دور کا تذکرہ قرآن پاک میں شرح وبسط سے آیا ہے۔

آزادی کے بعد یہ قوم بڑھی' پھولی اور پھیلی۔ آزاد زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور اس قوم نے زبردست ترقی کی۔ فلسطین میں ان کی ایک عظیم سلطنت قائم ہوئی جو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے ادوار میں انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ مختصر یہ کہ 1000 ق م سے 600 ق م تک بنی اسرائیل' متمدن اقوام کی امامت کے رتبہ جلیلہ پر فائز رہے۔ لیکن بعد میں بتدریج احکامات خداوندی کی خلاف ورزی و سرکشی' باہمی ضد اور لالچ' خدائی احکامات کی بجائے اپنے پست جذبات کا اتباع' باہمی خون ریزی۔ خدا کے خلاف افتراء پردازی اور

باہمی تشتت وافتراق کے سبب یہ عظیم قوم قعرِ مذلت میں گر کر رُسوا کن اور اذیت رساں محکومی کے عذاب میں ایک بار پھر مبتلا ہوگئی۔ کہاں وہ سطوت داؤدی اور شوکتِ سلیمانی اور کہاں یہ ذِلت ورسوائی؟ قرآن پاک میں بیان کی گئی یہ تفاصیل صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں' یہ دراصل وہ ہمہ گیر اصول اور قوانین ہیں جن کی پیروی یا خلاف ورزی کے نتائج ہر قوم اور ہر زمانے میں ایک جیسے ہی مرتب ہوں گے' ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

بنی اسرائیل کے دو قبائل کی سلطنت کا مرکز یروشلم تھا اور باقی دس قبائل کی حکومت کا مرکز سماریہ تھا۔ آٹھویں صدی ق م اہل سیریا نے سماریہ کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر نینوا لے گئے۔ وہاں غلامی کے دور میں اس قوم کا شیرازہ بکھر گیا اور ایسے غائب ہوئے کہ محققین کی کوششوں کے باوجود آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ اتنی بڑی قوم کہاں غائب ہوگئی؟ کچھ محققین کا خیال ہے کہ ان کے کچھ قبائل خیبر کی طرف آ گئے تھے اور کچھ کشمیر میں جا بسے تھے بہرحال یہ سب محض ظن وقیاس پر مبنی اندازے ہیں۔ باقی دو قبائل کو پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ تمہاری نافرمانی اور سرکشی کے سبب تم پر دو بڑی تباہیاں آنے والی ہیں (17:4)۔ ان میں پہلی تباہی بخت نصر شاہِ بابل کے ہاتھوں ہوئی۔ اس نے چھٹی صدی ق م میں نہ صرف ان کے مرکز یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی بلکہ ہیکل کو مسمار کر کے یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔ یہاں ان پر اتنے ظلم وستم ڈھائے گئے اتنی مشکلات اور صعوبتیں جھیلنی پڑیں کہ یہ ایک حد تک اطاعت خداوندی کی طرف مائل ہوگئے تو اللہ نے اپنے نبی حزقی ایل کو خواب میں بشارت دی کہ ''تب تم جانو گے کہ خداوند میں ہوں اور میں تم میں اپنی روح ڈالوں گا اور تم جیو گے اور میں تم کو تمہاری سرزمین میں بساؤں گا تب تم جانو گے کہ مجھ سے خداوند نے کہا اور پورا کیا۔ (حزقی ایل 37:1-4) اس واقعہ کو قرآن مجید نے بھی اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں بیان فرمایا ہے (2:259)۔ یہ قوم بابل میں تقریباً ایک سو سال غلام رہی۔

یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور موقع دیا (17:6) اور فارس کے زردشت کے ایک پیروکار سائرس (قرآن کے ذوالقرنین) نے اہل بابل کو شکست دے کر انہیں وہاں سے رہائی دلا کر واپس فلسطین میں آباد کیا۔ بعد میں اس کے جانشینوں نے ہیکل کی دوبارہ تعمیر میں ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ اس طرح اللہ نے انہیں بازیابی کا ایک اور موقع دیا لیکن انہوں نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور کچھ عرصے کے بعد یہ لوگ اطاعت کی بجائے پھر سرکشی پر اتر آئے جس کے نتیجے میں ان کا شیرازہ ایک بار پھر منتشر ہونے لگا۔ 332 ق م میں پہلے سکندر اعظم اور بعد میں بطلیموس نے ان پر کاری ضرب لگائی۔ 66 ق م میں رومیوں کے ہاتھوں ان کی دوسری اور آخری تباہی کا آغاز ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے انہیں باز آفرینی کا ایک سنہری موقع ملا لیکن یہودیوں نے اپنی سابقہ سرکشی کے باعث یہ موقع بھی کھو دیا۔ چنانچہ 70ء میں رومیوں کے جنرل ٹائٹس نے آخری وار کر کے ان کی اجتماعی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ تا آنکہ 1800 سال کے بعد 1917ء کے معاہدہ بالفور کے تحت 1948ء میں لاکھوں مسلمانوں کو دربدر کر کے **حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ** (3:112) کے فرمان خداوندی

کے تحت فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کردی گئی۔ یوں یوروپ وامریکہ نے ان سے جان چھڑانے کی سازشی تدبیر کرلی۔

بنی اسرائیل اور مصر کے ضمن میں قرآن پاک میں دیگر واقعات کے ساتھ دو ایسے واقعات کا ذکر ہوا ہے جن پر صدیوں سے بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان میں ایک بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور دوسرا فرعون کی لاش کو محفوظ رکھنے کی قرآنی پیشین گوئی سے متعلقہ ہے۔ ان واقعات پر تحقیقات جاری ہیں اور کئی مفروضے سامنے آئے بھی ہیں۔ قرآن پاک میں دریا یا سمندر پار کرنے کے مقام کی نشاندہی نہیں کی گئی اور نہ ہی تعاقب کرنے والے فرعون کا نام آیا ہے۔ اس لئے بحث کا سلسلہ جاری ہے۔

علامہ اسلم جے راجپوری اپنی تصنیف ''تاریخ الامت'' میں خروج کے وقت فرعون کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اہل تحقیق متفق ہیں کہ مرنفتاح اول (Merneptah) ہی وہ فرعون ہے جس کے زمانے میں حضرت موسیٰؑ نبی ہوئے اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے''۔ ان کے بعد فرانس کے سائنسدان عظیم عالم اور محقق ڈاکٹر موریس بقائی (Maurice Bucaille) نے اس موضوع پر کئی دیگر محققین کے نظریات پر جرح وتنقید کی ہے اور اپنی تحقیق کے مطابق علامہ اسلم کی طرح وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی پرورش کرنے والا فرعون رعمیس دوم (Rameses-II) تھا اور خروج کے وقت اس کا بیٹا مرنفتاح اول تھا۔ تعاقب کرنے والے فرعون کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں۔ ''اسے جب موت سامنے نظر آنے لگی اور اسے یقین ہوگیا کہ وہ ڈوبنے والا ہے تو ایمان لے آیا (لیکن وحی الٰہی نے بزبان موسیٰؑ کہا کہ) موت کو سامنے دیکھ کر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' اب تمہیں ڈوبنا ہے البتہ ہم آنے والے لوگوں کے لئے نشانی کے طور پر تمہارے جسم کو محفوظ کردیں گے'' (10:91-92)۔ اس ضمن میں بقائی کہتے ہیں۔ ''وہ تمام فرعون جن کا تعلق (صحیح یا غلط) خروج سے ہے قبیسہ کے گورستان میں پڑے ہوئے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن لوگوں تک پہنچایا اس وقت اس حقیقت کا قطعاً کسی کو علم نہیں تھا کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے''۔ تاہم ان کا قطعی فیصلہ ہے کہ ''جملہ شواہد اس کی حمایت میں ہیں کہ خروج کے زمانے کا فرعون مرنفتاح ہی تھا''۔ اس ضمن میں علامہ پرویز کہتے ہیں کہ ''عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی دور کا فرعون رعمیس دوم تھا اور خروج کے دور کا بادشاہ اس کا بیٹا مرنفتاح تھا۔ اگرچہ بعض شواہد اس کی تردید کرتے ہیں۔ بہرحال یہ سب قیاسات ہیں۔ جن سے قرآن کریم بحث نہیں کرتا اس لئے اس کا کام ان نتائج اور حقائق کو پیش کرنا ہے جو ان داستانوں میں مضمر ہیں اس کا منصب وقائع نگاری نہیں''۔ مرنفتاح کا ممی شدہ جسم 1898ء میں قبیسہ کے مقام پر شاہوں کی وادی سے دریافت ہوا تھا۔

یہ دریافت فرانس کے ماہر آثار قدیمہ مسٹر اوریت نے کی تھی۔ بعد میں مسٹر ایلیٹ اسمتھ نے 8 جولائی 1907ء کو اس کے جسم سے غلافوں کو اتار کر اس کا سرسری جائزہ لیا تھا۔ لیکن 1976ء میں مصری حکومت کی خصوصی اجازت سے مسٹر بقائی نے فرعون کے جسم کی موجودہ حالت کا موازنہ اس کیفیت سے کیا جو ساٹھ سال پہلے تھی تو یہ بات بڑی حد تک واضح ہوگئی کہ اس کی لاش پہلے کی نسبت زیادہ

بوسیدہ ہوچکی ہے۔ بقائی کی رپورٹ کے بعد مستقبل میں کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر مصری حکومت نے رعمیس دوم کی ممی کو فرانس منتقل کردیا تھا۔ ڈاکٹر بقائی اس موضوع کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''جو لوگ صحف مقدس کی صداقت کے لئے جدید معلومات میں ثبوت تلاش کرتے ہیں' وہ مصری عجائب گھر قاہرہ کے شاہی ممی خانہ کا معائنہ کرکے فرعون کے جسم سے متعلق آیاتِ قرآنی کی ایک شاندار مثال کا مشاہدہ کرسکتے ہیں''۔ قدیمی مصری تاریخ اس وقت سے سامنے آنی شروع ہوئی جب 1818ء میں نوسال کی لگاتار کوشش کے بعد فرانس کے اثری محقق مسٹر شمپولین نے مصر کی قدیمی زبان ہیروغلافی کے رسم الخط کی کنجی دریافت کی جس سے آثار قدیمہ کے کتبے پڑھے جانے لگے۔ اور پرانے ہیکلوں اور معبدوں کے درودیوار کے نقوش سے بعض حالات منکشف ہوئے۔

خروج کے بارے میں قرآن کریم نے راستے کی نشاندہی نہیں کی اور نہ ہی اس مقام کا ذکر ہے جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر یا دریا پار کیا اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب گیا تھا۔ تاہم تورات میں راستے کی تفصیل موجود ہے۔ اس کے مطابق سفر کا آغاز تینس۔ قنطر کے مقام سے ہوا۔ آج کے تینس اور قنطر کا درمیانی فاصلہ پندرہ میل ہے۔ یہ شہر اس علاقے میں موجود تھے جہاں دریائے نیل کے ڈیلٹے کے مشرقی حصے میں اس وقت مصر کا صدر مقام رعمیس اور پتھون شہر آباد تھے۔ مصر کے انتہائی شمال میں بحیرہ روم کے نزدیک رعمیس دوم نے دارالحکومت رعمیس شہر تعمیر کرایا تھا۔ اس کی تعمیر میں بنی اسرائیل کے لوگوں سے بطور بیگار کام لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر بقائی نے اپنی مشہور تصنیف ''بائبل' قرآن اور سائنس'' میں خروج کے راستے کا ایک نقشہ بھی دیا ہے جس کے مطابق خروج کی ابتداء صدر مقام رعمیس کے مشرق میں واقع تینس شہر سے ہوتی ہے۔ راستے میں شہر پتوم کے مغرب میں دریائے نیل کی ایک شاخ پڑتی ہے۔ نقشے کے مطابق بنی اسرائیل نے نیل کی اسی شاخ کو عبور کیا تھا اور فرعونی لشکر غرق ہوگیا تھا۔ اس کے بعد صحرا سینا تک راستے میں کوئی سمندر نہیں آتا۔ کیونکہ قلزم کے مقام پر بحیرہ احمر (Red sea) سے نکلنے والی ایک شاخ، خلیج سویز بحیرہ روم سے ایک سو میل پہلے ہی سویز کے مقام پر ختم ہوجاتی ہے۔ نہر سویز کی تعمیر سے پہلے یہ خشکی کا علاقہ تھا۔ لہٰذا مصر کے شمالی علاقوں سے صحرا سینا میں داخل ہونے کے لئے' بحیرہ احمر' بحیرہ قلزم یا خلیج سویز کو عبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ البتہ اگر مصر کے مرکزی علاقے سے صحرا سینا آنا ہو تو خلیج سویز کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی سمندر اور دریا (بحر اور یم) کے الفاظ آئے ہیں مثلاً آل فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں دریا میں غرق کردیا'' 7:136۔

علاوہ ازیں پرویز صاحب نے امریکہ کی (Jewish Publication Society) کی طرف سے 1962ء میں ہونے والے تورات کے ترجمہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے ''اِس ترجمہ میں کہا گیا ہے کہ دورِ حاضر کی تحقیق کی رو سے معلوم ہوا ہے کہ بنی اسرائیل نے سمندر کو عبور نہیں کیا تھا بلکہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اس مقام سے پار لے گئے تھے جو دلدل بن چکا تھا اور جہاں سرکنڈہ اُگ رہا تھا اسی نسبت سے اسے 'Sea of Reed' کہتے تھے۔ یہ مقام موجودہ نہر سویز کے قریب تھا''۔ مختصر یہ کہ یہ سب انسانی ذہن کے

اندازے اور تخمینے ہیں جن کا سلسلہ جاری رہے گا۔ بہرحال ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ خروج کا یہ راستہ غیر آباد یا ویران نہیں تھا۔ اس میں صدیوں سے تجارتی قافلے اور دیگر لوگ محوِ سفر رہا کرتے تھے۔ خود حضرت موسیٰؑ کا یہ راستہ دیکھا بھالا تھا کیونکہ اپنے مدیان کے سفر میں وہ اسی راستے سے آئے تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ سے صدیوں پہلے حضرت یوسفؑ کے زمانے میں بھی اس شاہراہ پر شام و مصر کے درمیان قافلے رواں دواں رہتے تھے 20-18:12۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ حضرت موسیٰؑ خود پیغمبر تھے اور اللہ کی راہنمائی ہر وقت ان کے ساتھ تھی 26:62۔

گرینڈ یونیفائڈ تھیوری کی پہلی قسط میں اس نظریئے کا مختصر تعارف' اس کا مقصد' اس کی تشکیل میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات اور کائنات میں کارفرما مختلف قوتوں کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب اس کی آخری قسط پیش کی جاتی ہے۔ کائنات میں موجود چار قوتوں کو یکجا کرنے کی پہلی کامیاب کوشش 1865ء میں میکسویل نے کی تھی اور دوسری کوشش کی داستان اسٹیفن سے سینئے۔ ''کمزور نیوکلائی قوت 1967ء تک اچھی طرح سمجھی نہیں گئی تھی۔ جب امپیریل کالج لندن کے پاکستانی سائنسدان عبدالسلام اور ہاورڈ کے اسٹیون وائن برگ نے ایسے نظریات پیش کئے جو اس باہمی عمل کو برقی مقناطیسی قوت سے یکجا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے میکسویل نے تقریباً سو سال پہلے برق اور مقناطیس کو ملا دیا تھا۔ انہوں نے تجویز کیا کہ فوٹان کے علاوہ ایک 'Spin' والے تین اور پارٹیکلز ہیں جو 'Massive Vector Boson' کے طور پر جانے جاتے ہیں اور کمزور قوت رکھتے ہیں انہیں W+ (ڈبلیو پلس) W- (ڈبلیو منفی) اور Z^{O} (زیڈ ناٹ کہا گیا۔ ہر ایک کی کمیت تقریباً 100 'GEV' تھی۔ GEV کا مطلب ہے 'Giga Electron Volts' جو ایک ارب وولٹس کے برابر ہے''۔ وہ مزید لکھتے ہیں

"The Veinburg-Salam theory exhibits a property known as spontaneous symmetry breaking."

''اس کا مطلب یہ ہے کہ کم توانائیوں پر بالکل مختلف نظر آنے والے پارٹیکلز درحقیقت ایک ہی ہیں مگر صرف مختلف حالتوں میں ہیں۔ زیادہ توانائیوں پر یہ پارٹیکلز درحقیقت یکساں طرزِ عمل رکھتے ہیں''۔

جب عبدالسلام اور وائن برگ نے یہ نظریہ پیش کیا تھا' اسے چند ہی لوگوں نے تسلیم کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت 'Acccelerators' اتنے طاقتور نہیں تھے کہ وہ 100 گیگا الیکٹران وولٹ توانائی تک پہنچ کر W+, W- اور Z^{O} پارٹیکلز حاصل کر سکیں۔ تاہم آنے والے اگلے دس سالوں میں اس نظریے کی پیشین گوئیاں کمتر توانائیوں پر تجربات سے اس قدر مطابقت رکھنے والی پائی گئیں جس کے نتیجے میں 1979ء میں عبدالسلام' وائن برگ اور شیلڈن گلاشو کو طبعیات کا نوبل انعام دے دیا گیا' حالانکہ ابھی تک یہ جسیم پارٹیکلز دریافت بھی نہیں ہوئے تھے۔ بہرحال 1983ء میں یوروپی مرکز برائے نیوکلائی تحقیق (CERN) میں فوٹان کو تینوں جسیم ساتھیوں

کے ساتھ ان کی درست پیشین گوئی کردہ کمیتوں اور دیگر خواص کے ساتھ دریافت کرلیا گیا' جس کی وجہ سے نوبل کمیٹی اپنی ممکنہ غلطی کی شرمندگی سے بچ گئی۔ نوبل کمیٹی نے اب سے چار سال پہلے ایسی ہی ایک غلطی پھر دُہرائی تھی جب امریکہ کے نومنتخب صدر باراک اوبامہ کو محض ان کے اعلانات پر امن کا نوبل انعام پیش کر دیا تھا۔ اس وقت اوبامہ کے اعلانات' سابق صدر اور 'Crusader' جارج بش کے مقابلے میں بڑے اہم اور خوبصورت لگتے تھے۔ ان کے امن اعلانات نے پوری دنیا میں ایک خوشی اور امید کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ شاید وہ دنیا کو پُر امن دیکھنے کی حقیقی خواہش بھی رکھتے ہوں۔ لیکن حقیقت بہرحال واضح ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اور دنیا میں بدامنی' دہشت گردی' تشدد' ظلم وزیادتی اور ناانصافی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہی ہوا ہے۔ عبدالسلام اور ان کے ساتھیوں نے کمزور نیوکلائی قوت اور 'Electromagnetic' فورس کو یکجا کر کے ان قوتوں کی تعداد چار سے تین کر دی ہے۔ اب ان باقیماندہ قوتوں کو بھی ہم آہنگ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

البرٹ آئن سٹائن کے زمانے سے اس کے تجویز کردہ نظریئے پر تحقیق ہو رہی ہے جو تمام کائنات کے مظاہر کی وضاحت کر سکے۔ اِس نظریے کے حصول کی خاطر کئی تھیوریاں سامنے آئی ہیں لیکن وہ تمام تھیوریاں اپنے اندر کوئی نہ کوئی سقم رکھتی ہیں۔ ان نظریات میں ایک سٹرنگ نظریہ (String Theory) ہے۔ اس کا ایک زمانے میں بڑا چرچا تھا۔ دراصل جب ہم ذیلی ایٹمی ذرات کے بارے میں پڑھتے یا سوچتے ہیں تو ہمارے اذہان میں ان ذرات کی ایک نقطہ دار (Point - Like) تصویر بنتی ہے۔ طبعیات میں بھی ان کو نقطہ دار ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن سٹرنگ تھیوری کے مطابق' مادہ سٹرنگ (دھاگہ نما) سے مل کر بنتا ہے۔ ان دھاگوں' رسیوں یا تاروں کی کوئی اونچائی یا چوڑائی نہیں ہوتی بلکہ یہ لمبائی میں یک جہتی (Single Dimension) ہوتی ہیں ان کی لمبائی 10^{-33} CM ہوتی ہے جسے پلانک لمبائی کہتے ہیں۔ سٹرنگ بند بھی ہوتے ہیں اور کھلے بھی۔ یہ ہر وقت مرتعش رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ ہمارے جانے پہچانے ذرات

☆ مثلاً الیکٹران' پروٹان' نیوٹران اور کوارک وغیرہ دراصل ان سٹرنگز کا موڑ (Ends) ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت کسی وائیلن کے سٹرنگ سے دی جاسکتی ہے۔ یہ آپس میں تعاملات بھی کرتے ہیں۔ دوسرا سٹرنگز آپس میں مل کر واحد سٹرنگ بھی بنا دیتے ہیں۔ اس تھیوری کے مطابق کسی بھی ذرے کا کسی دوسرے سے اخراج یا انجذاب دراصل سٹرنگ سے ٹوٹنے یا جڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مختصر انداز میں بات کی جائے تو کسی سٹرنگ پر زیرو بم (String Oscillation) کی طول موج (Wave Length) جتنی مختصر ہوگی' پارٹیکل کی کمیت (Mass) اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ یہ نظریہ خلا اور وقت کی دس یا چھبیس سمتیں بتاتا ہے۔ جبکہ ہم خلا اور وقت کی صرف چار سمتوں (Dimensions) کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

بعد میں سٹرنگ نظریہ کوئی ایک نظریہ نہیں رہا بلکہ اس کے نام پر کئی دیگر نظریات وجود میں آ گئے تھے۔

☆ ان میں پہلا نظریہ پیغام رساں ذرات (Messenger Particles Force Carrying) کے لئے تھا جو بوسون (Boson) کہلاتا ہے۔ اگر اسے ایٹم میکانیات کی مدد سے بیان کیا جائے تو یہ چھبیس سمتوں کا تقاضہ کرتا ہے۔ ایک دوسرے نظریے میں بوسون اور فرمیان (Fermeon) کے درمیان مماثلت رکھی گئی ہے۔ یہ نظریہ بوسون کی طرح فرمیان کو بھی بیان کرتا ہے۔ اسے سپر سٹرنگ کا نام دیا گیا ہے جو صرف دس جہتوں پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ اس نظریے کی تین اقسام اور بھی ہیں۔

گذشتہ صدی میں کچھ عرصہ کے لئے اس نظریہ کو گرینڈ یونیفائڈ تھیوری کا واحد امیدوار سمجھا جاتا رہا۔ اسٹیفن کے الفاظ میں:

"There may well be such an underlying theory. The strongest candidate at the moment is called the heterotactic super string."

لیکن بعد کی تحقیقات سے اس کی بہت ساری کمزوریاں سامنے آنے کے بعد یہ نظریہ گرینڈ یونیفائڈ تھیوری (G.U.T) کی تشکیل کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔ اسٹیفن نے بعد میں اس نظریے کی کمزوریاں بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابتداہی میں محسوس کرلیا گیا تھا کہ سٹرنگز ایک سے زائد جہت میں توسیع دیئے جاسکنے والے 'Objects' کے ایک وسیع طبقے کا صرف ایک رکن تھے۔ کیمبرج کے تھیورسٹ نے انہیں پی بریز (P-Branes) کا نام دیا تھا۔ تمام پی۔ بریز کو سپر تجاذب کی تھیوریز کی مساواتوں کے حلوں میں دس یا گیارہ جہتوں میں پایا جاسکتا ہے۔

سائنسدانوں کے لئے بہرکیف اسٹرنگز تھیوریز کی زیادہ تعداد ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ ان نظریات کا جداگانہ مطالعہ بے حد مشکل ہے۔ گزشتہ صدی میں ان نظریات کے مفصل مطالعے کے لئے ٹیکنیکس وضع کی جارہی تھیں کہ اچانک محسوس کیا گیا کہ یہ پانچ سٹرنگ تھیوریز دراصل ایک ہی تھیوری کے مختلف پہلو ہیں۔ اسے "M" تھیوری کا نام دیا گیا۔ اسٹیفن کے نزدیک سٹرنگ تھیورسٹس اب اس بات کے قائل ہیں کہ پانچ مختلف سٹرنگ تھیوریز اور سپر گریوٹی دراصل ایک ہی بنیادی نظریے کے مختلف اندازے ہیں اور مختلف موقعوں پر ہر نظریہ کارآمد ہے۔ وہ بنیادی نظریہ 'M' تھیوری ہے کیوں کہ:

"M-Theory unites the five-string theories within a single theoretical frame-work, but many of its properties have yet to be understood."

ابھی تک یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ ایم کا لفظ کون سے حرف کی نمائندگی کرتا ہے۔ بقول اسٹیفن:۔

"No one seems to know what the 'M' stands for, it may be "Master", "Miracle" "or Mystery, it seems to be all three."

بعد میں انہوں نے سپر گریوٹی تھیوری، سٹرنگ نظریات، سپر سٹرنگ اور N=8 تھیوری کی کمزوریوں کے پیش نظر 'ایم' تھیوری کو

G.U.T کی تشکیل کے لئے امید وار قرار دے دیا۔ انہوں نے افلاطون سے لے کر نیوٹن اور جدید کوانٹم نظریئے تک انسانی فکری، علمی اور تحقیقی سفر کا تجزیہ کرتے ہوئے سوال اٹھایا کہ:

"Will this sequence eventually reach an end-point, an ultimate theory of universes?"

اس سوال کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ اس سوال کا متعین جواب ہمیں ابھی تک معلوم نہیں لیکن:۔

"But now we have a candidate for the ultimate theory of everything, if indeed one exists, called 'M-Theory'. M-Theory is the only model that has all the properties for G.U.T."

ان کا کہنا ہے کہ مستقبل میں ہماری بحث کا زیادہ تر انحصار اسی نظریے پر ہوگا۔ ان کے مطابق یہ کوئی عام تھیوری نہیں بلکہ

"It is a whole family of different theories."

ایم تھیوری ہماری کائنات کے علاوہ دیگر مختلف کائناتوں کی بھی پیشین گوئی کرتی ہے۔

اسٹیفن کے الفاظ میں:

"M-Theory predicts that a great many universes were created out of nothing."

اسٹیفن کے ''عدم سے وجود'' کے جملے سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ کسی پہلے سے موجود طاقت یا ہستی نے کائنات کو خلق کیا ہے۔ لیکن موصوف کا ایسا خیال نہیں چنانچہ اس طرح کی کسی ''غلط فہمی'' کے فوری ازالے کے لئے اسی تسلسل میں لوگوں کو متنبہ کر دیا کہ اس ''غلط فہمی'' میں نہ پڑنا کیونکہ:۔

"Their creation does not require the intervention of super-natural being or God. Rather these multiple universes arise naturally from physical laws."

ایم تھیوری خلا اور وقت کی گیارہ سمتوں کی پیشین گوئی کرتی ہے۔ جبکہ ہم صرف چار سمتوں یعنی خلا کی تین اور وقت کی ایک سمت کا ادراک رکھتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہونا ہے کہ اگر واقعی اضافی سمتیں ہیں تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتیں۔ وہ اس لئے کہ

"They are curved up into a space of very small size..... They are curved or curled on a scale of so small that we do not see them."

ان چھوٹی سمتوں کی مثال نارنگی سے دی جاتی ہے۔ اگر اس کو دور سے دیکھا جائے تو ہموار نظر آتی ہے۔ لیکن قریب سے دیکھنے پر یہ

خمیدہ، دانے دار اور Wrinkled نظر آئے گی۔

اسٹیفن نے G.U.T. کے بارے میں سائنسی نقطہ نظر سے ہٹ کر بھی کچھ سوالات اٹھائے ہیں مثلاً یہ کہ ''اگر صرف ایک وحدتی نظریہ ہے تو وہ قاعدوں اور مساوات کا ایک مجموعہ ہی تو ہے۔ مساوات کو زندگی کون بخشتا ہے اور ایک کائنات بناتا ہے تاکہ اس کی تشریح کرسکیں۔ ریاضیاتی ماڈل بنانے کا سائنسی طریقہ اس کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ ماڈل کے لئے ایک کائنات کا ہونا کیوں ضروری ہے، جس کی وہ تشریح کرسکے۔ کائنات اپنے وجود کی پریشانی کیوں اٹھاتی ہے؟ کیا وحدتی نظریہ اتنا زبردست ہے کہ یہ خود اپنے وجود کی ضمانت ہے یا اسے ایک خالق کی ضرورت ہے؟ اور اگر ہے تو کیا وہ کائنات پر اثر بھی ڈالتا ہے؟ اور اسے کس نے تخلیق کیا؟

ایسے مابعد الطبیعاتی سوالات کا انہوں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ البتہ اتنا ضرور کہا ہے کہ سائنس دان تو نئے نظریات وضع کرنے میں مصروف ہیں جو یہ بتاسکیں کہ کائنات کیا ہے اور کیوں ہے؟ اور جہاں تک فلاسفہ کا تعلق ہے تو بقول ان کے فلسفی سائنس کے نظریاتی ارتقا کا ساتھ نہیں دے سکے، اس لئے اس قسم کے جوابات دینا ان کے بس کی بات نہیں۔ تاہم انہوں نے موضوع کا اختتام ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''بہرحال اگر ہم ایک مکمل وحدتی نظریہ دریافت کرلیں، تو یہ صرف چند سائنسدانوں کے لئے نہیں، بلکہ وسیع معنوں میں ہر ایک کے لئے قابل فہم ہوگا۔ ہم سب فلسفی، سائنسدان، بلکہ عام لوگ بھی اس سوال پر گفتگو میں حصہ لے سکیں گے کہ ہم اور یہ کائنات کیوں موجود ہے؟ نیز یہ کہ:

"If we find the answer to this question, it would be the ultimate triumph of human reason ------ for then we would know the mind of God."

ان کا یہ کہنا تو درست ہے کہ یہ انسانی دانش کی حتمی فتح ہوگی، لیکن انسانی دانش یا فکر سے اللہ تعالیٰ کے ذہن کا سمجھنا قطعی طور پر ناممکن ہے یہ جبھی ممکن ہے جب انسان خود (نعوذ باللہ) خدا بن جائے جو ایک بار پھر ناممکن ہے۔ ہاں انسان اللہ کی مرضی سمجھ سکتا ہے، لیکن اتنا ہی جتنا وحی نے بتایا ہے۔

باقی جہاں تک اللہ کی تخلیق کا سوال ہے تو میرے خیال میں اسٹیفن کو ایسا سوال پوچھنے کا حق ہی نہیں۔ کیونکہ اُن کے مطابق جب کائنات خود بخود وجود میں آسکتی ہے تو خدا کے لئے یہ پابندی کیوں کہ اس کا خالق ضروری ہے؟ لیکن بات وہی فریڈ ہائل کی سامنے آجاتی ہے جس کا ذکر میں تین بار پہلے کرچکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور ایسے ہی متعدد سمندر مزید آجائیں تب بھی میرے نشوونما دینے والے کے سامان ربوبیت کی حدود فراموش تفاصیل اور ان سے متعلقہ قوانین اور دساتیر ختم نہیں ہوں گے۔ 18:109; 31:27۔ ان آیات کے مطابق اگر انسان G.U.T. تشکیل دینے میں کامیاب ہو بھی جائے پھر بھی کائنات میں کارفرما تمام اصول وقوانین کو سمجھنا ناممکن ہوگا۔ جدید تحقیقات کے نتیجے میں اسٹیفن کا بھی یہی خیال ہے کہ

"Even if we do discover a complete unified theory, it would not mean that we will be able to predict events in general, for two reasons."

ان دو وجوہات میں ان کے مطابق ایک تو اصولِ غیر یقینیت کی حدود (Limitations) ہیں اور دوسری یہ کہ کسی بھی تھیوری کی دو سے زیادہ پارٹیکلز پر مشتمل مساوات کا درست Exact حل ممکن نہیں۔ یہ حل اندازوں (Approximations) پر ہی مبنی ہوگا۔ چنانچہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ۔

"A complete, consistent theory is the only first step."

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	350/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صد سالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صد سالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔

پتہ / رابطہ

(1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

منظور حسین لیل۔ بھکر

پرویز صاحب کا نظریۂ قرآن کریم

آخری مکمل و محفوظ کتاب

تدوین و حفاظتِ قرآن:۔ ضروری تھا کہ اس قسم کی عالمگیر و ہمہ گیر ابدی، مکمل، مفصل اور آخری ہدایت و راہنمائی کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جاتا۔ کیونکہ اس کے بعد کسی اور ضابطے کا نزول من جانب اللہ بند کر دیا گیا۔ اس کی تدوین اور دائمی حفاظت اس لئے بھی ضروری تھا کہ جب کبھی انسان اپنے جذبات کی اطاعت میں، حقیقی منزل کی طرف جانے والا راستہ کھو کر، دوسری راہوں پر چل نکلے تو پھر بھٹکتا نہ پھرے۔ بلکہ وہ اس ابدی ضابطے سے دوبارہ راہنمائی حاصل کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو سکے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی کامرانیاں دوبارہ پالے۔

پرویز صاحب قرآن کریم کی تدوین و حفاظت کے بارے میں مروجہ نظریات کا خود قرآن کریم ہی کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں اور انہیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ وہ ''مطالب الفرقان'' میں سورہ ءبقرہ کی دوسری آیت کے مطالب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''عربوں کے ہاں جب منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کر لی جاتی تھی تو اس وقت اسے ''کتاب'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور چونکہ منتشر خیالات کو لکھ کر ایک جگہ محفوظ کیا جاتا ہے اس لئے ''کَتَبَ'' کے معنے ہیں ''اس نے لکھا۔'' لہٰذا ''کتاب'' ان لکھے ہوئے اوراق کو کہتے تھے جن کی شیرازہ بندی کر لی جائے۔'' دوسری جگہ لکھتے ہیں ''عربوں کے ہاں کتاب کا لفظ اس وقت بولتے تھے جب منتشر اجزاء کی شیرازہ بندی کر کے ان میں لوہے کا کڑا پرو دیا جاتا تھا یا سلائی کر دی جاتی تھی۔'' ''مطالب الفرقان'' میں وہ آیت نمبر ۲/۲ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔ ''قرآن کریم کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:۔ **وَالطُّوۡرِ ○ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ○ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ** (52:1-3)۔

عربوں کے ہاں، ہرن کی کھال کو چھیل کر اُسے (Parchment) کی شکل میں قرطاس بنا لیتے، اُسے ''رقہ'' کہا جاتا تھا۔ جن تحریروں کو محفوظ رکھنا مقصود ہوتا انہیں ان پر قلمبند کر لیتے اور ان ''رق منشور'' کی جب شیرازہ بندی ہو جاتی تو اسے ''کتاب'' کہہ کر پکارا جاتا۔ جہاں تک کاتبین وحی کا تعلق ہے، خود قرآن کریم کی شہادت موجود ہے کہ وہ بڑے با عزت اور قابل اعتماد تھے۔ (80:15-16)۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ''رق'' کے اوراق پر لکھی ہوئی مرتب اور مدون ''کتاب'' تھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، قرآن مجید جمع اور مدون نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تدوین بعد

میں، منتشر ٹھیکریوں، ہڈیوں اور پتوں کی مدد سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی تھی، صحیح نہیں۔ اس کے ''مرتب کتاب'' ہونے کی شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ (اسے 'الفاتحہ کے بعد' شروع ہی میں ''کتاب'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ بلکہ (مفتی عبدہٗ کے قول۔ بحوالہ تفسیر المنار۔ جلد اول۔ صفحہ 123 ۔ کے مطابق) کتاب ''بمعنی مکتوب'' ہے۔ یہ اسم جنس ہے۔ ان چیزوں کے لئے جو لکھی جائیں۔ اور ''ذالک الکتاب'' سے اشارہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف قرآن حکیم کے لکھنے کا حکم فرمایا تھا، قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ لکھنے کا حکم نہیں تھا (بحوالہ تفسیر المنار)۔ بنابریں ''ذالک الکتب'' کا یہ مفہوم ہوا کہ:۔

''تم نے ہمیں پکارا تھا اور کہا تھا کہ تمہاری راہنمائی اس سیدھے اور ہموار راستے کی طرف کر دی جائے جو تمہیں منزل مقصود تک پہنچا دے۔ یہ راہنمائی تمہیں اس کتاب میں ملے گی۔'' ''الکتاب'' کہہ کر اسے دنیا کی باقی تمام کتابوں سے مختص اور متمیز کر دیا۔ اس سے مراد القرآن ہے۔''

طلوعِ اسلام مئی جون 1982ء۔ صفحہ نمبر 27۔ ''صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد، حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے امت کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ مابین الدفتین۔ یعنی مجلد قرآن کریم۔ یہی حضرت محمد بن حنیفہؒ نے بھی کہا۔ (بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر 143)۔''

تکمیل وحفاظت:۔ جہاں تک قرآن کریم کے مکمل اور محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو اس مرتب و مدون کتاب کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ یہ کتاب مکمل ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ''وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (6:115)۔ اور ساتھ ہی نازل کرنے والے نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی لے لیا (18-17:75 اور 15:9)۔ ناقابل تردید تاریخی شہادات موجود ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو نبی ءآخر الزماں ﷺ پر نازل ہوا تھا، جسے حضور کریم ﷺ نے اپنی نگرانی میں مرتب کرا کے اپنی امت کو دیا تھا اور جو آج تک مختلف طریقوں سے محفوظ ترین حالت میں چلا آ رہا ہے۔ پرویز صاحب اپنی عظیم تالیف ''تبویب القرآن'' میں لفظ ''قرآن'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ ''اصطلاح میں، قرآن، اس کتاب عظیم کا نام ہے جو لفظاً لفظاً خدا کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل ہوئی اور اب ہمارے پاس حرفاً حرفاً اسی شکل میں محفوظ ہے۔ یہ خدا کی آخری، مکمل اور غیر متبدل کتاب، تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے ضابطہء حیات ہے۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''قرآنی اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کی روشنی میں انسانوں کے مرتب کردہ قوانین میں عند الضرورت تبدیلی ہوتی رہے گی۔ قرآن ہمیشہ علیٰ حالہٖ رہے گا۔ اس کی کوئی آیت نہ منسوخ ہے نہ ہی منسوخ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نزول وحفاظت قرآن کے بعد، نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب جو شخص براہ راست خدا سے علم پانے کا مدعی ہے وہ خدا پر افتراء باندھتا ہے۔ خدا نے انسانوں کو جو علم براہ راست دینا تھا وہ قرآن کے اندر آخری مرتبہ، مکمل شکل

میں دے دیا گیا۔''

مکمل و محفوظ: ۔طلوعِ اسلام فروری 1983ء۔صفحہ نمبر 54:۔''یعنی خدا نے اس کی تصریح فرما دی کہ:۔(1)۔قرآن کریم ایک مرتب کتاب کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھا۔(2)۔یہ ہر طرح سے مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔(3)۔یہ قیامت تک کے لئے محفوظ رہے گا۔

ختمِ نبوت: ۔اس سے آپ' علاوہ دیگر امور' اس حقیقت کو بھی دیکھ لیں گے کہ قرآن کریم نے ختمِ نبوت کی حقیقت کو کس طرح واضح کر دیا ہے۔جب ایک ضابطہء حیات ایسا ہو جو تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک کے لئے مرتب اور محفوظ شکل میں دے دیا گیا ہو اور اس کے بعد اُس میں کوئی تبدیلی بھی نہ کر سکتا ہو' تو ایسی کتاب کی موجودگی میں کسی نبی یا رسول کے آنے کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔قرآن کی ابدیت' اکملیت' محفوظیت اور عالمگیریت خود ختمِ نبوت کی دلیل ہے۔قرآن کی نصِ صریح کی رو سے کوئی نبی یا رسول بغیر کتاب کے نہیں آیا۔لہٰذا' جب خدا کی طرف سے آخری کتاب دی جائے تو اُس کے لانے والا خود بخود آخری رسول ہو جائے گا۔''

طلوعِ اسلام فروری 1982ء۔ص۔9۔قرآن کریم کی تکمیل و حفاظت کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔''اس قسم کی حفاظت کہ کوئی غیر خداوندی بات اس کے قریب تک نہ پھٹک سکے۔: لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (41:42)۔''باطل اس کے آگے یا پیچھے' کہیں سے بھی اس کے پاس نہیں آ سکے گا۔''اس رسول کا نام ہے ''محمد'' ﷺ۔اور اس کتاب کا نام ''قرآن''۔جو چھٹی صدی عیسوی میں خدا کی طرف سے نازل ہوئی اور جسے مسلمانوں کی آسمانی کتاب کہا جاتا ہے۔حالانکہ یہ درحقیقت تمام نوعِ انسان کی آسمانی کتاب ہے۔ظاہر ہے کہ نبی' خدا کی طرف سے آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ خدا کی وحی انسانوں تک پہنچائے۔جب وہ وحی اپنی مکمل' غیر متبدل اور محفوظ شکل میں انسانوں کے پاس موجود ہو تو پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔چنانچہ' اس رسول ﷺ کے بعد نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور اسے ''خَاتَمَ النَّبِيِّينَ (33:40) کہہ کر پکارا گیا۔یہ ہے وہ کتاب (قرآن مجید) جو اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں دنیا میں موجود ہے۔اور جس میں ایک حرف کا ردوبدل نہیں ہوا۔اس دعویٰ کی تصدیق خود اس کتاب کی داخلی شہادات اور تاریخ کے بیانات کرتے ہیں۔پہلے داخلی شہادت کو لیجئے۔

کتابت کا رواج :۔زمانہء نزولِ قرآن میں' عربوں میں کتابت (لکھنے پڑھنے) کا رواج اتنا عام تھا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:۔إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (2:282)۔''جب تم کسی مدت کے لئے لین دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''اس کے بعد اس آیت میں اس لکھت پڑھت کے لئے تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔ظاہر ہے کہ اس قسم کا حکم اسی صورت میں دیا جا سکتا ہے جب لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہو۔معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کی کہ یہ: اقوم للشہادۃ: ہوتا ہے۔یعنی

اس سے شہادت محکم ہوجاتی ہے (2:282)۔ یہ واضح ہے کہ جس قوم کو عام لین دین کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا ایسا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اس قوم نے اپنی آسمانی کتاب کو تحریر میں لانے کے لئے کیا کیا اہتمام نہیں کئے ہوں گے جو اس کے لئے ضابطہء زندگی تھی۔ اور جس کی راہنمائی کی اسے قدم قدم پر ضرورت پڑتی تھی۔ یہ کتاب ایک ہی بار نازل نہیں ہوئی تھی' نبی اکرم ﷺ کی تیئس سالہ نبوت کی زندگی میں' تدریجاً نازل ہوئی تھی۔: **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً**ۚ..... (25:32) ''کفار اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرآن' اس رسول پر (پورے کا پورا) ایک ہی بار کیوں نہ نازل ہوگیا'' جوں جوں وحی نازل ہوتی تھی' اسے نہایت احتیاط سے ضبطِ تحریر میں لے آیا جاتا تھا۔

قابلِ اعتماد کاتب:۔ صحابہؓ سے اپنے اپنے طور پر بھی لکھتے تھے لیکن بابِ نبوت کی طرف سے اس کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور اس عظیم ذمہ داری کے لئے نہایت قابلِ اعتماد کاتبوں کا انتخاب عمل میں لایا جاتا تھا۔ جو نہ صرف فنِ کتابت ہی کے ماہر ہوں بلکہ سیرت وکردار کے اعتبار سے بھی رفیع المنزلت ہوں۔: **فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ○ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ○ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ○ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ** (80:13-16)۔ (یہ وحی) ایسے صحیفوں میں محفوظ کردی جاتی ہے جو نہایت واجب العزت ہیں۔ رفیع الشان اور ہر قسم کی غلطیوں اور آمیزشوں سے پاک اور صاف۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جو معاشرہ میں بڑی ہی عزت وتعظیم کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔'' حفاظت کی غرض سے اسے عام طور پر ان اوراق پر لکھا جاتا تھا جو (اس زمانے کے رواج کے مطابق) باریک کھال (رق) سے بنائے جاتے تھے۔: **كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ○ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ** ..... (52:2-3)۔ ''پھیلے ہوئے رق پر لکھی ہوئی کتاب۔'' اس طرح یہ وحی ایک کتاب کے اندر محفوظ ہوتی چلی جاتی تھی:۔ **اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ** .....(56:77-78)۔ ''یہ باعزت قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب کے اندر۔''

رسول اللہ ﷺ ان پڑھ نہیں تھے:۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان پڑھ تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ نبوت سے پہلے تو بے شک آپ ﷺ کی یہی کیفیت تھی لیکن نبوت کے بعد یہ بات نہیں تھی۔: **وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ** ..... (29:48)۔ ''اِس (نبوت) سے پہلے نہ تو کتاب پڑھنا جانتا تھا' نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھنا۔'' ''من قبلہٖ'' (اس سے پہلے) کی تخصیص اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نبوت کے بعد حضور ﷺ کی کیفیت ایسی نہیں رہی تھی۔ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔'' اس کے بعد پرویز صاحب نے قرآن کی حفاظت بذریعہ حفاظ اور زمانہء خلافتِ راشدہؓ میں وسیع پیمانے پر نشرو اشاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر بتایا ہے کہ:۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ قرآن کو مرتب شکل میں دے کر نہیں گئے تھے اور اس کو حضرت

ابوبکرؓ کے زمانہ میں جمع اور مدوّن کیا گیا تھا' یہ صحیح نہیں۔ ایسا کچھ ایک سازش کے تحت قرآن کریم (جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے) کو مشکوک بنانے کے لئے کیا گیا۔ ''کتاب'' تو کہتے ہی اسے ہیں جو مرتب شکل میں موجود ہو۔ علاوہ ازیں خود ہماری کتبِ روایات میں بکثرت شہادات ایسی ملتی ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں قرآن کریم اسی ترتیب کے ساتھ مدوّن شکل میں موجود تھا۔ خلافتِ راشدہؓ کے زمانے میں' اس کی عام نشر واشاعت ہوئی۔ البتہ ایک ضرورت واضح تھی۔ افرادِ امت کے پاس قرآن کے اپنے اپنے نسخے تھے۔ مدینہ میں مستند صحیفہ (MASTER COPY) موجود تھا۔ اس لئے اہلِ مدینہ کو اس باب میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے اپنے نسخوں کو اس مستند صحیفے سے ملا کر' اپنے نسخے کی صحت کے متعلق مطمئن اور متیقن ہو جائیں۔ لیکن باہر والوں کو اس میں دقت پیش آسکتی تھی۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ قرآن کریم کے مستند نسخے' مختلف مراکز میں موجود ہوں۔ یہ نسخے حکومت کی طرف سے مرتب کر کے بھیجے جاتے تھے۔ لوگ ان نسخوں سے مقابلہ کر کے' اپنے اپنے نسخوں کی تصحیح کر لیتے تھے۔'' اس کے بعد' اس معاملے میں' پرویز صاحب نے امام ابن حزمؒ کی کتاب ''الفصل' الملل والنحل کے حوالے دیئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جو ''جامع القرآن'' کہا جاتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ آپ جامع القرآن نہیں تھے۔ دیگر خلفاء کی طرح ''ناشرِ قرآن'' ہی تھے۔ انہوں نے البتہ اس کا اہتمام ضرور کیا تھا کہ کہیں کوئی ایسا نسخہ نہ رہے جو ان مستند اور مصدقہ نسخوں کے مطابق نہ ہو۔ اور ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے مستند نسخوں میں سے جو نسخہ مدینہ میں رکھا تھا' اسے ''امام'' کہا جاتا تھا۔ اس معاملہ میں پرویز صاحب کی کتاب ''مذاہبِ عالم اور ان کی آسمانی کتابیں'' قابلِ مطالعہ ہے۔

☆.....☆.....☆

قرآن کی ترتیب:۔ پرویز صاحب ''مطالب الفرقان'' جلد اول میں سورہ بقرہ کی دوسری آیت کے مطالب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''آپ نے لوگوں کو عام طور پر یہ کہتے سنا ہوگا کہ قرآن کریم نزولی ترتیب کے اعتبار سے کیوں مرتب نہیں کیا گیا؟۔ یعنی تیئیس سال کے عرصہ میں جو آیات وقتاً فوقتاً نازل ہوتی گئیں' انہیں اُسی ترتیب سے لکھتے جانا چاہیئے تھا اور اس طرح یہ کتاب مرتب ہو جانی چاہیئے تھی۔ میں ایسا کہنے والوں سے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تو حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن اسی ترتیب کے ساتھ مرتب شکل میں امت کو دیا تھا (میں نے اسے اپنی کتاب ''مذاہب عالم کی مبینہ آسمانی کتابیں'' کے آخری باب میں وضاحت سے لکھا ہے)۔ میں قرآن کریم کا ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں اور گزشتہ قریب چالیس سال سے اس کا مسلسل مطالعہ کرتا چلا آرہا ہوں۔ اور یہ حقیقت علیٰ وجہ البصیرت میرے سامنے آگئی ہے کہ اس کی موجودہ ترتیب بھی ایک معجزہ ہے۔ میں نے اسے ایک نصاب کی کتاب پایا ہے۔ نصاب کی کتاب کی ترتیب اس طرح رکھی جاتی ہے کہ شروع میں اس کے مسلمات ومبادیات مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ' رفتہ رفتہ' درجہ بدرجہ' ان مسلمات کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کا ہر

اگلا باب، پچھلے باب یا ابواب کا ماحصل ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھتا اور بلند ہوتا چلا جائے، تا آنکہ جب قاری اس کے آخری حصہ تک پہنچے تو پوری کتاب کے مندرجات نہایت حُسنِ ترتیب کے ساتھ اس کے ذہن میں منقوش ہو جائیں۔ میں نے قرآن کریم کو اسی طرح کا پایا اور اسے اسی طرح سمجھا ہے۔ اور میں اپنی بصیرت کے مطابق حتمی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اس کی یہ ترتیب بھی اس اعجاز کا ایک حصہ ہے جس کا چیلنج دنیا کو دیا گیا ہے۔ خدا کی یہ کتاب عظیم اپنے مطالب کو واضح کرنے کے لئے نہ تو ''شانِ نزول'' کی محتاج ہے اور نہ کسی اور ترتیب کی۔ یہ خود مکتفی ہے اور اپنی وضاحت آپ کرتی چلی جاتی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ''نور'' کہا ہے اور روشنی اپنی تابندگی کے دعویٰ کے لئے کسی خارجی ثبوت کی محتاج نہیں ہوتی۔ ویسے بھی اگر مزید غور کیا جائے تو یہ حقیقت کہ اس کی ترتیب بھی منجانب اللہ ہے، نمایاں طور پر سامنے آجائے گی۔ خدا نے اسے ''اپنی کتاب'' کہا ہے اور کتاب اسی کو کہا جاتا ہے جو مرتب شکل میں دی جائے۔ غیر مرتب، منتشر فقرات (آیات) اور غیر مربوط ابواب (سورتوں) کو کتاب کہا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ آج ہمارے پاس اس کا ذریعہ کون سا ہے جس کی رو سے یقینی طور پر کہا جا سکے کہ قرآنی آیات کے نزول کی ترتیب کیا تھی؟۔ یعنی کون سی آیت کب نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذریعہ لامحالہ روایات کو قرار دیا جا سکتا (اور دیا جاتا) ہے۔ اور روایات کے غیر یقینی ہونے کی جو صورت ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (روایات تو یہ بھی کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرتب شکل میں قرآن مجید امت کو دیا ہی نہیں تھا۔ یہ بعد میں جمع اور مرتب کیا گیا تھا۔ اور جمع اور مرتب بھی اس طریق سے کہ جسے دیکھ کر انسان سر پکڑ کر بیٹھ جائے!)۔ اس قسم کے غیر یقینی ذریعہ کی رو سے مرتب کردہ قرآن کو اُس قرآن کا بدل (بلکہ اس سے بہتر) قرار دینا جسے خود رسول اللہ ﷺ نے (من جانب اللہ) امت کو دیا تھا، بڑی زیادتی ہے۔ اس قسم کی کوششوں کا ماحصل اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق شکوک پیدا ہوں۔ قرآن اپنی موجودہ شکل و ترتیب کے ساتھ خدا کی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے۔ اور یہی قرآن دنیا کے لئے چیلنج ہے۔'' پرویز صاحب نے قرآن کریم کا مفہوم کچھ اسی انداز میں مرتب کیا ہے۔ جس کے ذریعے اُنہوں نے اس حقیقت کا ثبوت پیش کیا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب ہی اصلی ترتیب ہے۔ اس معاملے میں ان کے مرتب کردہ ''مفہوم القرآن'' اور ''مطالب الفرقان'' کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

☆.....☆.....☆

قرآن کریم کے بارے میں مروّجہ عقائد

اختلافِ قراءت:۔ طلوعِ اسلام جنوری 1974ء۔ ص۔53۔ احمدی حضرات کی خصوصی توجہ کے لئے تحریر فرمایا کہ:۔ ''ہمارے ہاں عام طور پر ''قراءت'' سے مراد قرآن کریم کے پڑھنے کا انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ ''قاری'' اسے کہتے ہیں جو ایک خاص انداز سے قراءت پڑھے۔ لیکن اصطلاح میں ''قراءت'' کا مفہوم اس سے بالکل الگ ہے۔ قرآن مجید کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا کرنے کے

لئے جس قدر سازشیں ہوئی ہیں‘ ان میں ’’اختلافِ قراءت‘‘ ایک اہم کڑی ہے۔

(۲)۔ اسلام کی صداقت‘ افضلیت اور اکملیت کا مدار ختمِ نبوت پر ہے اور ختمِ نبوت کا عملی مفہوم یہ ہے کہ:۔ (1)۔ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (6:115)۔ یعنی قرآن مجید مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ’’دین‘‘ کے سلسلہ میں جو کچھ انسانوں کو دینا تھا وہ مکمل طور پر قرآن کریم میں دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا‘ اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اور جو کچھ اس میں کہا گیا ہے وہ محکم اور ابدی ہے‘ اس لئے اس میں کوئی ردوبدل نہیں کرسکتا۔ اور (2)۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (15:9)۔ حفاظتِ قرآن کا ذمہ خدا نے خود لے رکھا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن‘ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی دیا‘ جسے رسول اللہ ﷺ نے امت تک پہنچایا‘ اور جو اُس وقت سے اِس وقت تک مروج ہے‘ وہ مکمل‘ غیر متبدل اور محفوظ ہے۔ بناء بریں‘ اب خدا کی طرف سے کسی وحی کی ضرورت نہیں۔ اسی کو ختمِ نبوت کہتے ہیں۔ اگر قرآن مجید کی ان تینوں بنیادی خصوصیات میں سے کسی ایک کے متعلق بھی کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو ’’دین‘‘ باقی نہیں رہتا۔

(۳)۔ حضور ﷺ کو جو قرآن‘ خدا کی طرف سے عطا ہوا‘ آپ ﷺ نے اسے نہایت احتیاط اور حفاظت سے‘ اُمت کو دے دیا۔ لکھوا کر بھی‘ اور حفظ یاد کرا کر بھی۔ چنانچہ جو قرآن‘ اُمت میں مروّج ہے‘ حضور ﷺ نے اُسے اسی ترتیب اور شکل میں اُمت کو دیا تھا۔ یہی قرآن مکمل‘ غیر متبدل اور محفوظ ہے۔ دین کے خلاف سازشوں کے سلسلہ میں پہلے اس قسم کی روایات وضع کی گئیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن مجید مرتب شکل میں نہیں دیا تھا۔ یہ مختلف اور متفرق کاغذ کے پرزوں‘ پتھر کے ٹکڑوں‘ کھجور کے پتوں اور اونٹوں کی ہڈیوں پر منتشر تھا۔ اسے بعد میں جمع اور مرتب کیا گیا۔۔ (روایات کی رو سے) جس طریق سے اسے جمع اور مرتب کیا گیا‘ وہ بجائے خویش‘ مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا موجب ہے (میں اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ موضوعِ زیرِ نظر کی طرف بڑھ جانا چاہتا ہوں)۔ عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ عہدِ عثمانیؓ میں جو نسخہ مرتب ہوا تھا‘ وہ آگے چلا اور وہی اس وقت امت میں رائج چلا آرہا ہے اسی نہج سے اسے مصحفِ عثمانیؓ کہا جاتا ہے۔

(۴)۔ بات یہاں تک بھی رہتی تو کسی حد تک غنیمت تھا۔ لیکن سازش اس سے بھی آگے بڑھی۔ کہا یہ گیا کہ خود حضرت عثمانؓ کے زمانے میں‘ مختلف صحابہؓ کے پاس قرآن مجید کے ایسے نسخے تھے جن میں متعدد آیات ایسی تھیں جو مصحفِ عثمانی سے مختلف تھیں۔ اسے ’’اختلافِ قرآءت‘‘ کہا جاتا ہے۔ یعنی‘ جب (مثلاً) یہ کہا جائے گا کہ:۔ ’’حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی قرآءت میں یوں آیا ہے۔‘‘ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مصحفِ عثمانیؓ میں تو یہ آیت یوں درج ہے لیکن قرآن کا جو نسخہ ابن عباسؓ کے پاس تھا اس میں یہ آیت یوں تھی۔ اس قسم کے اختلافات‘ دو‘ چار‘ دس آیات تک محدود نہیں‘ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ حدیث کے مشہور امام اور جامع‘ ابو داؤد کے صاحبزادہ حافظ ابوبکر عبداللہ سجستانی (متوفی 316ھ) کی ایک مشہور تالیف ہے۔ کتاب المصاحف۔ اس میں انہوں نے

قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق روایات بھی یک جا درج کی ہیں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے مختلف نسخوں (مصاحف) کا بھی ذکر کیا ہے۔ (معاندین کو ایسا مسالہ خدا دے۔ چنانچہ) ایک مستشرق (Arthur Jeffery) نے اس کتاب کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اور اس میں ان مصاحف کی تفصیل بھی درج ہے جو مختلف صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرف منسوب ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ان مصاحف کی ان آیات کو بھی درج کیا ہے جو مصحفِ عثمانیؓ سے مختلف ہیں۔ ان میں صرف صحابہؓ کی طرف منسوب مصاحف حسب ذیل ہیں۔ ہم نے قوسین میں اُن آیات کی تعداد لکھ دی ہے جو ان میں، مصحفِ عثمانیؓ سے مختلف ہیں۔ مثلاً ابن مسعود (1322) سے مراد یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب مصحف میں (1322) آیات ایسی تھیں جو مصحفِ عثمانی (یعنی ہمارے مروّجہ قرآن مجید) سے مختلف تھیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔ (1) حضرت ابن مسعودؓ (1322)۔ (2) حضرت ابی بن کعبؓ (952)۔ (3) حضرت علیؓ (89)۔ (4) حضرت ابن عباسؓ (186)۔ (5) حضرت ابو موسیٰؓ (4)۔ (6) حضرت حفصہؓ (10)۔ (7) حضرت انس بن مالکؓ (24)۔ (8) حضرت عمرؓ (28)۔ حضرت زید بن ثابتؓ (10)۔ (10) حضرت ابن زبیرؓ (34)۔ (11) حضرت عمر ابن العاصؓ (تعداد معلوم نہیں)۔ (12) حضرت عائشہؓ (13)۔ (13) حضرت سالمؓ (2)۔ (14) حضرت امِ سلمہؓ (4)۔ (15) حضرت عبید ابن عمیرؓ (18)۔۔۔۔ تابعینؒ کی طرف منسوب مصاحف، نیز ایسے مصاحف جو بے نام ہیں، ان کی تعداد الگ ہے۔ ان اختلافات کی یہ نوعیت نہیں کہ ان میں محض زیر، زبر کا فرق ہے۔ (اگرچہ عربی زبان میں زیر، زبر کے فرق سے بھی بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے) ان میں، الفاظ تک بدلے ہوئے ہیں۔ کہیں الفاظ کا اضافہ ہے۔ کہیں وہ محذوف ہیں۔ کہیں تبدیل شدہ ایسے الفاظ جن سے معانی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔۔۔ آپ سوچئے کہ جب قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ صحابہؓ کے زمانے میں بھی، مختلف صحابہؓ کے نسخوں میں اختلاف تھا، اور جو نسخہ مستند طور پر اُمت کو دیا گیا تھا (مصحفِ عثمانی) خود اس میں، اور ان نسخوں میں سینکڑوں مقامات میں اختلاف تھا، تو قرآن کے دعوائے اکملیت، محکمیت (غیر متبدل) اور محفوظ ہونے کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟۔ اور قیامت بالائے قیامت یہ کہ ہمارے علمائے کرام ان ''مختلف قراءتوں'' کے قائل ہیں۔ چنانچہ آپ نے اکثر حضرات کو کہتے سنا (یا لکھتے دیکھا) ہوگا کہ قرآن مجید کی آیت یوں ہے لیکن حضرت۔۔۔ کی قراءت میں یوں آیا ہے۔ قرآن کریم نے کہا تھا کہ:۔ افلا یتدبرون القرآن۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (4:82)۔ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟۔ اگر یہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔۔۔ یعنی قرآن نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ آپ سوچئے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فلاں آیت ایک مصحف میں یوں آئی ہے اور دوسرے میں یوں، تو قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ باقی رہ سکتا ہے؟۔ اس عقیدہ سے دین کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔ یہ ہے وہ سازش جو قرآن (یا دین) کے خلاف کی گئی!۔''

طلوعِ اسلام مارچ 1974ء۔ص۔47۔ ''حقیقت یہ ہے کہ:۔(1)۔قرآن کریم جس طرح خدا کی طرف سے حضور ﷺ پر نازل ہوا، حضور ﷺ نے اسے محفوظ و مرتب شکل میں امت کو دے دیا۔ یہ مصحف، حضور ﷺ کی زندگی میں لکھا ہوا مرتب شکل میں بھی موجود تھا، اور ہزاروں، لاکھوں حفاظ کے سینے میں بھی محصور۔(2)۔قرآن کریم کا یہی نسخہ صحابہ کرامؓ کے پاس تھا۔اسی کی نقول عہدِ خلافتِ راشدہؓ میں مختلف ممالک میں بھیجی گئیں۔یہی قرآن امت کے پاس محفوظ شکل میں اب تک چلا آ رہا ہے۔(3)۔کسی کے پاس نہ کوئی اور نسخہ تھا اور نہ کوئی اس بات کا مدعی یا قائل کہ اُس کے پاس کچھ آیات ایسی ہیں جو مروّجہ قرآن میں اور طرح درج ہیں۔اس قسم کی تمام روایات جن میں کہا گیا ہے کہ۔۔(1)۔حضور ﷺ قرآن کو غیر مرتب شکل میں چھوڑ گئے تھے۔(2)۔اسے بعد میں صحابہؓ نے مرتب کیا۔(3)۔مختلف صحابہؓ بعض آیات کو کسی اور طرح پڑھتے تھے یا۔(4)۔اُنؓ کے پاس مختلف مصاحف تھے۔۔سب وضعی ہیں اور قرآن کریم کو محرف ثابت کرنے کی سازش۔ہمارے علماء ان وضعی روایات کو صحیح مانتے ہیں کہ انہیں اسلاف کی تقلید میں ایسا کرنا پڑتا ہے۔''

طلوعِ اسلام فروری 1978ء۔ص۔17۔ ''مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے سلسلے میں قرآن کریم میں ان رشتوں کی تفصیل دینے کے بعد، جن سے نکاح حرام ہے، کہا گیا ہے:۔(مفہوم)۔''اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں، اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ چاہو، نکاح میں لا کر نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔سو تم ان میں سے، جس کے ساتھ نفع اٹھانا چاہو، تو انہیں ان کے مقرر کردہ مہر دے دو۔''(4:24)۔سنیوں کے ہاں اس معاہدہ کا نام نکاح ہے جو مہر ادا کر کے دائمی طور پر کیا جاتا ہے اور جو موت یا طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے۔اس کے برعکس، شیعہ حضرات متعہ کے قائل ہیں جس میں ایک مرد اور ایک عورت ایک مدتِ معینہ کے لئے مباشرت کا معاملہ طے کر لیتے ہیں اور اس کے لئے۔۔۔اس عورت کو جنسی اختلاط کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔سنیوں کے ہاں متعہ حرام ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سنیوں کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ان کی قراءت میں مندرجہ بالا آیت یوں آئی ہے:۔فما استمتعتم بہٖ منھن الیٰ اجل مسمیٰ۔۔۔''تم ان میں سے ایک مدتِ معینہ کے لئے فائدہ اٹھاؤ۔'' یعنی اس قراءت کی رو سے، آیتِ قرآنی میں ''اجل مسمیٰ'' کا اضافہ کیا گیا ہے جس سے متعہ کی سند مل جاتی ہے۔''اس کے بعد پرویز صاحب نے سنیوں کی سب سے پہلی اور قابلِ اعتماد تفسیر طبری میں دی گئی اس قراءت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی وضاحت درج کی ہے کہ اس آیت کو ''خدا کی قسم خدا نے اسی طرح نازل کیا ہے۔''

طلوعِ اسلام فروری 1978ء۔ص۔19۔ ''اب ایک ایسی مثال دیکھئے جس سے دین کی اصل و بنیاد ہل جاتی ہے۔قرآن کریم نے مامور من اللہ کے لئے رسول یا نبی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔انہیں خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی۔سورہ حج میں ہے:۔**وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ**

قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (22:52)۔

''(اے رسول!) ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ یہ ماجرا نہ گزرا ہو کہ اس کے چلے جانے کے بعد دین کے دشمنوں نے اس کی وحی میں آمیزش نہ کر دی ہو۔ جب ایسا ہوتا تو خدا ایک اور رسول بھیج دیتا اور سابقہ وحی کی اس آمیزش کو دور کر کے اپنے قوانین کو محکم بنا دیتا۔ اس لئے کہ خدا علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔''۔ اس آیت سے واضح ہے کہ خدا کی طرف سے رسول یا نبی آتے تھے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں یہ آیت یوں آئی ہے:۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث۔۔۔ الخ۔ یعنی اس میں رسول اور نبی کے ساتھ **''محدّث''** (۔د۔ زبر کے ساتھ) کا اضافہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے رسول، نبی اور محدث آیا کرتے تھے۔

مُحدّث کا عقیدہ:۔ میں نے اپنے اس مقالہ میں شیعہ حضرات کے عقیدہ اور مسلک کے متعلق بحث نہیں کی لیکن چونکہ زیر نظر آیت میں اضافہ کا تعلق اصولاتِ دین سے ہے اس لئے اس باب میں ان کی ایک روایت کا ذکر ناگزیر ہے۔ کتاب ''الکافی'' شیعہ حضرات کا احادیث کا معتبر ترین مجموعہ ہے۔ اس میں عقیدہء محدث کے سلسلہ میں حسبِ ذیل روایت درج ہے:۔ زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے آیہء کان ''رسولاً نبیاً'' کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے۔ فرمایا نبی وہ ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اس کی آواز سنتا ہے لیکن ظاہر بظاہر حالتِ بیداری میں نہیں دیکھتا۔ اور رسول وہ ہے جو آواز بھی سنتا ہے۔ خواب میں بھی دیکھتا ہے اور ظاہر میں بھی۔ میں نے پوچھا امام کی منزلت کیا ہے؟۔ فرمایا وہ فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث۔ (الکافی کا اردو ترجمہ الشافی۔ جلد اول۔ ص۔203۔ شائع کردہ شمیم بکڈپو۔ کراچی)۔۔ اصول کافی (عربی) میں اس روایت کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے:۔ انما ھو فی قراءت اہل بیت علیہم السلام (جلد اول۔ ص۔ 176)۔ یعنی اہل بیت کی قراءت میں اس آیت میں ''ولا محدث'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے اگلی روایت میں ہے:۔ محدث وہ ہے جو ملائکہ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ ان کا کلام سنتا ہے۔ لیکن انہیں دیکھتا نہیں، اور نہ اسے خواب نظر آتا ہے۔ (الشافی۔ جلد اول۔ ص 204) اس کے بعد ایک روایت میں ہے کہ:۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:۔ میں اور میرے صلب میں سے گیارہ امام محدث ہیں (الشافی۔ جلد اول۔ ص۔ 281۔ میں نے اس بحث کو اپنی کتاب ''شاہکارِ رسالت'' میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے)۔۔۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے جو کچھ دینا تھا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف نازل کردہ وحی میں تکمیل تک پہنچ گیا اور قرآن مجید کی دفتین میں محفوظ کر دیا گیا۔ اس طرح حضور ﷺ کے بعد خدا کی طرف سے راہنمائی ملنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا آپ ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ میرزا غلام احمد (قادیانی) نے

مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اس پر سخت اعتراضات ہوئے تو انہوں نے کہا:۔ آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں۔ کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلعم) اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے۔ اور محدث بفتح دال، وہ لوگ ہیں جن سے معاملات ومخاطباتِ الٰہیہ ہوئے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباسؓ کی قراءت میں آیا ہے:۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولانبی ولا محدث ۔۔۔ (آخر تک)۔ پس اس آیت کی رو سے بھی جس کو بخاری نے بھی لکھا ہے، محدث کا الہام یقینی اور قطعی ثابت ہوتا ہے جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ سکتا۔ (براہین احمدیہ۔ شائع کردہ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام۔ لاہور۔ ص۔ 348۔ حاشیہ در حاشیہ)۔ آپ دیکھئے کہ میرزا صاحب نے: وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث کو ''آیت'' کہا ہے۔ یعنی مروجہ قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ: وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی۔ وہ بھی قرآن کی آیت ہے۔ اور ''ولا محدث'' کے اضافہ کے ساتھ بھی قرآن کی آیت ہے۔ اس (ولا محدث کے اضافہ والی) آیت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔ ہمارے سید الرسول اللہ خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن۔ ص۔ 28)۔ (میرزا صاحب کے دعاوی کی حقیقت کے متعلق میری کتاب ''ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت'' دیکھئے)۔۔۔ نبی کے قائم مقام۔۔۔ محدث!۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ اختلافِ قراءت کا باطل عقیدہ بات کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اسے صحیح مانا جاتا ہے۔۔ ان مثالوں سے (جو بکثرت موجود ہیں) یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم اس شکل میں بھی نازل ہوا تھا جو مروجہ نسخوں میں ہے اور ان شکلوں میں بھی جو مختلف قراءتوں میں موجود ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ قرآن مجید کے شک وشبہ سے بالاتر ہونے کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے!۔''

قرآن کے باطنی معانی:۔ کچھ حضرات (خصوصاً اہل تصوف) کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کے ظاہری معانی کے علاوہ اس کے باطنی معانی بھی ہیں جن کا علم عام افراد کو نہیں ہو سکتا بلکہ صرف ''پہنچے ہوئے'' لوگوں یعنی اولیاء واصفیاء (اور شیعہ حضرات کے مطابق اُن کے ائمہء کرام) کو ہوتا ہے اور ان حضرات کو یہ علم حضرت علیؓ اور براہِ راست (بذریعہ کشف والہام وغیرہ) خدا سے ملتا ہے۔ پرویز صاحب اس عقیدے کے سخت مخالف ہیں اور اسے اسلام کے خلاف سازش قرار دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ خلافِ قرآن ہے اور ختم نبوت کے بنیادی اور ضروری عقیدے کے خلاف ہونے کے علاوہ مسلمانوں کو بے عملی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

طلوعِ اسلام۔ فروری 1978ء۔ (صفحہ نمبر 31-30):۔ پرویز صاحب نے قرآن کے باطنی معانی کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔ اربابِ شریعت کے علاوہ ''دوسرا طبقہ اصحابِ طریقت یعنی صوفیائے کرام کا ہے جنہیں اولیاء اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ قرآن کریم

کی تشریح وتفسیر کے متعلق وہ ارباب شریعت سے کہیں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق متعدد مقامات پر اور نہایت وضاحت سے بتایا کہ یہ لسان عربی مبین کی کتاب ہے۔ یعنی اسے نہایت واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی ہو وہ اس زبان کی رو ہی سے سمجھی جاسکتی ہے لیکن اربابِ طریقت کا یہ ارشاد ہے کہ اس کتاب کے الفاظ کے جو معانی ہیں یہ اُن کی رو سے نہیں سمجھی جاسکتی۔ ہر لفظ کا ایک باطنی مفہوم ہے جو اس لفظ کے اندر چھپا ہوا ہے۔ اور جو ظاہری علم کی رو سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کے لئے باطنی آنکھ کی ضرورت ہے۔ باطنی معانی کا عقیدہ یہودیوں نے وضع کیا تھا۔ یہودی تصوف کی سب سے اہم کتاب ''زہار'' میں ہے کہ:۔ ''تورات کی روح درحقیقت اس کے باطنی معنوں میں پوشیدہ ہے۔ انسان ہر مقام پر خدا کا جلوہ دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ تورات کے ان باطنی معانی کا راز پا جائے۔'' ان باطنی معانی کے متعلق تاکید تھی کہ ان کا علم خواص تک محدود رہے۔ عوام ان پر مطلع نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ یہودیوں کی روایات کی کتاب ''مشنا'' میں لکھا ہے کہ:۔ ''کتابِ پیدائش کے باطنی معانی کی تعلیم ایک وقت میں ایک سے زیادہ آدمیوں کو نہیں دینی چاہیئے۔ اور کتاب حزاقیل کے پہلے باب کی تعلیم تو ایک آدمی کو بھی نہیں دینی چاہیئے۔ تاوقتیکہ اس نے مقامِ ولایت حاصل نہ کرلیا ہو۔'' ہمارے اربابِ تصوف نے یہ عقیدہ تو یہودیوں سے لیا لیکن اس کی سند کے لئے حدیثیں وضع کرلیں۔'' تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''باطنی معانی کی رو سے قرآن کریم کو کس طرح مسخ کیا جاتا ہے اس کے متعلق علامہ اقبالؒ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ''حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل وشعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کردینا ہے۔ یہ ایک نہایت لطیف (subtle) طریق تنسیخ کا ہے۔ اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کرسکتی ہیں جن کی فطرت گوسفندی ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعراء ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفہ کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشوونما نہ ہونے دیا تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بناء ''وحدت الوجود'' تھی۔ ان شعراء نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید وتنسیخ کی ہے۔ (اقبال نامہ۔ جلد اوّل۔ صفحہ نمبر 35)۔'' اور اسی بناء پر انہوں نے اپنے ایک اور مکتوب میں لکھا تھا کہ:۔ ''جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد وزندقہ کے اور کچھ نہیں۔'' (ایضاً۔ صفحہ نمبر 44)۔ ''یہ ہے جو۔۔۔ اربابِ طریقت نے قرآن مجید کے ساتھ کیا''۔ پرویز صاحب نے ''شاہکارِ رسالت'' کے آخری باب میں ''قرآن کے باطنی معانی'' پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد ''باطنی علم کی سند'' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:۔ ''علمِ باطنی کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ اسے عوام پر ظاہر نہیں کیا جاتا خواص تک محدود رکھا جاتا ہے۔ اس کی سند کے لئے اس قسم کی حدیثیں وضع کی گئیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ مجھے

رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن ملے۔ ایک (علمِ ظاہری) کو تو میں نے پھیلا دیا ہے لیکن اگر میں دوسرے (علمِ باطنی) کو ظاہر کر دوں تو میری رگِ حیات کاٹ دی جائے۔ (بخاری باب العلم۔ نیز مشکواۃ باب العلم)۔ (جیسا کہ حوالہ میں لکھا گیا ہے) یہ حدیث بخاری میں موجود ہے جسے اصح الکتب کہا جاتا ہے۔ کس قدر مقامِ تاسف ہے کہ نہ امام بخاری کو اس کا خیال آیا اور نہ ہی ایسی حدیثوں کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنے والوں کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ اس سے حضور رسالتمآب ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کتنا بڑا حرف آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم (وحی) عطا فرمایا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ:۔ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک۔ اے ہمارے پیغمبر! جو کچھ تیری طرف نازل کیا جاتا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے۔: وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (5:67)۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تو نے فریضہء رسالت ادا نہیں کیا۔ دوسری طرف کہا کہ: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (2:159)۔ ''جو لوگ اس روشن علم اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جسے ہم نے نوعِ انسان کے لئے قرآن میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے' ان پر خدا کی بھی لعنت ہے اور ہر لعنت کرنے والے کی بھی لعنت۔'' اللہ تعالیٰ کے ان احکام اور وعید کے بعد یہ کہنا کہ خدا نے حضور ﷺ کو جو علم دیا تھا' آپ ﷺ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ کو تو ظاہر کر دیا تھا اور دوسرے حصہ کو (معاذ اللہ) مخفی طور پر خواص میں سے بعض کے سپرد کر دیا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ وہ بھی اسے عوام پر ظاہر نہ کریں' خواص تک محدود رکھیں' حضور ﷺ کی ذاتِ اطہر کے خلاف ایسا سنگین الزام ہے جس کے تصور سے روح کانپتی ہے۔ لیکن ہمارے اربابِ شریعت اسے حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں درج کرتے ہیں اور اصحابِ طریقت اسے' اپنے ''علمِ باطنی'' کی سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!۔ یہ ''علمِ باطنی'' کہیں لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ یہ صوفیاء میں سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔

علم لدنی:۔ اسے ''علمِ لدنی'' کہا جاتا ہے۔ اس علم کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مرید اسے اپنے مرشد سے بالمشافہ حاصل کرے' یہ صدیوں کے بُعد (فاصلہ) کے باوجود' باطنی طریق سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (مثلاً) حضرت جنیدؒ بغدادی کے متعلق کہ (جن کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی تھی) یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے خرقہء تصوف' رسول اللہ ﷺ کے صحابی' حضرت انسؓ بن مالک سے حاصل کیا تھا۔ اہلِ تصوف کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ باطنی علم' رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا تھا۔ اور آپ (حضرت علیؓ) سے یہ آگے' سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا گیا۔ اس منتقل ہو کر آنے والے علمِ باطنی کے علاوہ' اولیائے کرام کو مزید باطنی علم' خدا سے براہِ راست بھی حاصل ہوتا ہے جس کی رو سے ان پر قرآن کے باطنی معانی منکشف ہوتے ہیں۔'' اس کے بعد وہ علامہ اقبالؒ کے مکتوبات کا حوالہ دیتے ہیں جن میں کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل میں باطنی معانی کی تلاش یا باطنی مفہوم پیدا کرنے کے عمل کو علامہ اقبالؒ اُس دستور العمل

کا ایک نہایت (subtle) طریق تنسیخ کہتے ہیں اور سرخیل و امامِ تصوف' شیخ اکبر' محی الدین ابن عربیؒ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کو کتابِ الحاد و زندقہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح' پرویز صاحب قرآن کریم کے کسی باطنی مفہوم و معانی کے قائل نہیں۔ وہ ایسے عقیدے کو خلافِ قرآن قرار دیتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

عقیدہ ءناسخ و منسوخ اور تضادات:۔ اس عقیدہ (ناسخ و منسوخ) کے باعث قرآن فہمی کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور اسکی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ بدقسمتی سے بہت سے قدیم اور جدید مشہور و معروف مفسرین قرآن' قرآن میں نسخ کے قائل ہیں۔ یہ مفسرین کرام بہت سی محکم اور یقینی آیات پر بھی نسخ کے احکام لگاتے چلے جاتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں نے ناسخ و منسوخ پر کتب لکھی ہیں ان کی تو کوشش یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے نسخ کر کے دکھلائیں۔ اس عقیدے کی رو سے قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو بعد میں نازل ہونے والی بعض آیات سے منسوخ ہوگئی ہیں۔ اور یہ بھی کہ خدا کی طرف سے نازل کردہ وحی ساری کی ساری قرآن میں درج نہیں بلکہ یہ قرآن میں درج ہونے کے علاوہ بھی ہے۔ مفسرین تین قسم کے نسخ کے قائل ہیں:۔ (1)۔ وہ آیات' جن کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے اور وہ پڑھی لکھی بھی نہیں جاتیں۔ (2)۔ وہ آیات' جن کا حکم منسوخ نہیں ہوا مگر تلاوت منسوخ ہوگئی ہے۔ (3)۔ وہ آیات' جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی۔ اب ایسی آیات پر عمل نہیں کیا جائے گا' ان کی صرف تلاوت کی جائے گی۔ عمل' ناسخ آیات پر کیا جائے گا۔ پرویز صاحب کہتے ہیں۔ ''قرآن کے متعلق ایک اور عقیدہ وضع کیا گیا کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات ایسی ہیں جو صرف تلاوت کے لئے قرآن میں رہنے دی گئی ہیں۔ لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ فلاں آیت ناسخ ہے اور فلاں منسوخ۔ اس بات پر آپ متعجب ہوں گے کہ پھر اس بات کا فیصلہ کس نے کیا کہ فلاں آیت منسوخ ہے؟۔ اس کا فیصلہ محدثین نے کیا' مفسرین نے کیا' علماء نے کیا' فقہاء نے کیا۔ یعنی اُنہیں یہ اتھارٹی حاصل ہوگئی کہ خدا کی طرف سے نازل کردہ آیات کو منسوخ قرار دے دیں۔ کسی زمانے میں اس قسم کی منسوخ شدہ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی تھی۔ پھر یہ گھٹتے گھٹتے شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں پانچ تک رہ گئی۔ لیکن پانچ سو ہوں یا پانچ' یہ عقیدہ اب بھی موجود ہے۔ (کہ قرآن کی بعض آیات صرف پڑھی جاتی ہیں' ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور منسوخ ہو چکا ہے' خدا کے فیصلے کی رو سے نہیں' کسی نہ کسی ''عالم'' کے فیصلے کی رو سے۔ بحوالہ ''شاہکارِ رسالت'') خدائے علیم و خبیر اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ ایسے احکام دے جنہیں خود ہی بعد میں منسوخ کرنا پڑے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ اس عقیدے کے بعد آیات قرآنی کی محکمیت کے متعلق کیا یقین باقی رہ سکتا ہے۔''

ناسخ و منسوخ کے متعلق صرف یہی عقیدہ نہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے بلکہ یہ عقیدہ بھی وضع اور

رائج کیا گیا کہ قرآنی آیات کو احادیث بھی منسوخ کرسکتی ہیں۔ جب سوال کیا گیا کہ وحی کو غیر وحی کیسے منسوخ کرسکتی ہے؟ تو جواب ملا کہ وحی دو قسم کی ہوتی ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو (جس کی تلاوت کی جائے) تو قرآن میں درج ہے۔ لیکن وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے) کا صرف تصوّر حضور کریم ﷺ کو القاء کیا گیا تھا۔ یہی تصوّر حضور اکرم ﷺ کے اپنے ذاتی الفاظ و اعمال میں ڈھل کر حدیث کہلایا لہٰذا اس متلو اور غیر متلو وحی میں فرق کرنا کفر ہے۔ وحی کو احادیث سے منسوخ قرار دینا بھی دراصل وحی کو وحی سے منسوخ قرار دینا ہے۔ اسی لئے حدیث کو 'مثلہٗ معہٗ' کہا گیا۔

عقیدہء ناسخ و منسوخ کے باعث قرآن کریم کے موجودہ تراجم و تفاسیر میں کھُلے تضادات و اختلافات پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور ہستی کی جانب سے ہوتا تو تم اس میں بہت زیادہ اختلاف اور تضاد پاتے۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ ہے کہ اس میں اختلاف اور تضاد کوئی نہیں (4:82)۔ ناسخ و منسوخ کے عقیدے کو رائج کرنے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ قرآن کی آیات کو منسوخ دکھا کر قرآن کے مفہوم میں حسب منشاء تبدیلی کر دی جائے۔

اصولِ تدریج:۔ دراصل، بعض لوگ قرآن کریم کے اصول تدریج کو بھی نہیں سمجھ سکے اور یہیں سے عقیدہء ناسخ و منسوخ گھڑ لیا گیا۔ قرآن کریم کو بتدریج نازل کیا گیا تا کہ اسے سمجھا یا جا سکے (17:106 ; 25:32)۔ پرویز صاحب کے الفاظ میں: ''کسی قوم کو اس کی آخری منزل تک لے جانے کے لئے اصولِ تدریج و امہال کو کس قدر اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی نزولِ وحی میں اس اصول کو پیشِ نظر رکھا۔ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ پہلے مفصّل صورتیں نازل ہوئیں جن میں دوزخ جنت کا ذکر ہے (یعنی ترغیب و ترہیب سے متعلق آیات) پھر جب لوگ اسلام پر قائم ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے (مثلاً) اگر شراب نہ پینے کا حکم شروع ہی میں نازل ہو جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح اگر ابتداء ہی میں زنا کی ممانعت کا حکم نازل ہو جاتا تو لوگ اس کے چھوڑنے سے بھی انکار کر دیتے (بُخاری۔ باب تالیف القرآن)۔ (زنا سے غالباً مراد ہیں نکاح کے وہ طریقے جو عربوں کے ہاں رائج تھے۔ لیکن جنہیں قرآن نے ممنوع قرار دے دیا تھا)۔ امتناعِ شراب کے احکام میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا۔ وہ اربابِ فکر و نظر کے لئے بڑی بصیرت افروز ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی گھٹی میں شراب پڑ چکی ہو، جو نسلاً بعد نسل اس کی عادی چلی آ رہی ہو، کیف و مستی جس کے خون کے ذرات میں حلول کر چکے ہوں، اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ یک لخت شراب چھوڑ دے۔ وہ اسے بتدریج ہی چھوڑ سکے گی۔ اسی حکمت کے پیشِ نظر، قرآن کریم میں پہلے یہ آیا کہ خمر و میسرہ کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ لیکن ان کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہیں (2:219)۔ پھر یہ کہا گیا کہ تم نشہ کی حالت میں اجتماعاتِ صلوٰۃ میں شریک نہ ہوا کرو (4:43)۔ اور اس کے بعد، تیسری منزل میں اس کی قطعی ممانعت کی گئی (5:90-91)۔ یہ ممانعت مدینہ میں آ کر ہوئی۔ اسی طرح قرآن کریم کے دیگر احکامات پر نظر ڈالئے! نظر آ جائے گا کہ اس نے اپنی اوّلیں مخاطب قوم کی

معاشرتی وتمدّنی سطح اور ذہنی ونفسیاتی کیفیات کو سامنے رکھ کر ان احکام کو بتدریج اس طرح نازل کیا کہ وہ تیئس (23) سال کے عرصے میں اس پروگرام کے نقطہء اوّلیں سے آہستہ آہستہ آخری منزل تک لے جائی گئی۔ (اسی طرح اب بھی جہاں اور جس قوم میں اسلام نافذ ہوگا' اسی اصول کے تحت ہوگا۔ کیونکہ نومسلموں کے علاوہ قدیمی مسلمانوں میں بھی بہت سی ایسی برائیاں پیدا ہوچکی ہیں' جنہیں وہ یک لخت نہیں چھوڑ پائیں گے اور سرے سے قبول ونفاذ اسلام ہی سے انکار کردیں گے۔ مئولف)۔ جن سطح بین نگاہوں کے سامنے یہ بنیادی حقیقت نہیں' اُنہیں قرآنی احکام میں جابجا تضاد نظر آئے گا۔ حالانکہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے کہ ''اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت سے اختلاف پاتے (4:82)۔'' تضادات کے اسی غلط تصوّر نے ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ وضع کرا دیا۔ حالانکہ قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ اپنے مقام پر اٹل ہے اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ ناسخ و منسوخ کا تصوّر ہی غیر قرآنی ہے۔ اس کے احکام احوال وظروف سے مشروط ہیں۔ اور ان کا اطلاق موقع محل کے مطابق ہوتا ہے۔ ''تدبّر فی القرآن'' سے مراد یہ ہے کہ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ ہمارے جو حالات اس وقت ہیں' ان میں قرآن کا کون سا حکم نافذ العمل ہونا چاہیئے اور کون کون سی شرائط سے مشروط۔ اور کس کس قسم کی قیود سے مقیّد۔ یہ شرائط وقیود قرآن کریم کی اصولی راہنمائی کی روشنی میں' حالات کے مطابق' متعین کی جائیں گی۔ یہ کام اسلامی مملکت کے کرنے کا ہے' نہ کہ افراد کا یا نجی اداروں کا۔'' (طلوع اسلام نومبر 1979ء صفحہ نمبر 11-10)۔

نسخ کا صحیح مفہوم:۔ پرویز صاحب کے مطابق ''قرآن کریم کی آیت (2:106) میں جس نسخ کا ذکر ہے اس کا تعلق' سابقہ انبیاء کی وحی سے ہے' قرآن کریم سے نہیں۔ اسی کی تائید (16:101-102) سے ہوتی ہے۔ اور (22:52-53) سے بھی۔'' (تبویب القرآن۔ عنوان ''ناسخ ومنسوخ'')۔

آیت نسخ (2:106) کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب ''لغات القرآن'' میں (ن۔س۔خ) کے تحت لکھتے ہیں۔'' ناسخ ومنسوخ کا مروّجہ مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں (بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو تک ہے) جو پڑھی تو جاتی ہیں لیکن جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ پھر سُن لیجئے کہ (اس عقیدہ کے مطابق) قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب ایسی آیات ہیں جنہیں محض ''ثواب'' کی غرض سے پڑھ لیا جاتا ہے لیکن ان میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ بعض احکام قرآن کریم کی دوسری آیات نے منسوخ کردیئے ہیں اور بعض احکام احادیث نے منسوخ کردیئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر موجود نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے۔ (مثلاً آیہء رجم۔ یعنی زانی کو سنگسار کرنے کے حکم والی آیت)۔ اس عقیدہ کی رو سے قرآن کریم کی شکل یوں بنتی ہے کہ:۔ (1):۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے احکام تو منسوخ ہو چکے ہیں لیکن جن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ اور۔ (2):۔ ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر تو نہیں لیکن ان کا حکم

موجود ہے۔ دوسری قسم کی آیات کے لئے تو دلیل صرف روایات کی ہے۔ لیکن پہلی قسم کی آیات کے لئے خود قرآن کریم ہی کی ایک آیت سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے:۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (2:106)۔ اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ ''ہم جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔'' اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اُسی طرح موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسّرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا۔ چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

باقی رہا ''فراموش کرا دینے'' کا سوال۔ سو اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) انہیں بھول جاتے تھے۔ تو پھر اُنہی جیسی آیات اور نازل ہو جاتی تھیں۔ یہ مراد ہے ''اونسھا'' سے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ '' سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ○ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۔۔۔۔'' (87:6-7)۔ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ''ہم تجھے پڑھائیں گے، سو تو نہ بھولے گا، ہاں مگر جو اللہ چاہتا ہے۔'' اس عقیدہ کی رو سے آپ دیکھئے کہ خدا، قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اُس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔ قرآن کریم کے متعلق یہ کہ اس میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت برابر ہو رہی ہے۔ اور یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ کون سی آیت منسوخ ہے اور کون سی ناسخ۔ اسے لوگوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ کون سی آیت منسوخ ہے اور کون سی اس کی ناسخ۔ اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تصور کہ حضور ﷺ خدا کی طرف سے نازل کردہ قرآنی آیات کو بھی بھول جایا کرتے تھے۔ یا للعجب!۔''

تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''اب دیکھئے اس آیت (ما ننسخ ۔۔۔۔۔) کا **صحیح مفہوم**۔ پیچھے سے سلسلہء کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہلِ کتاب (بالخصوص یہود) قرآن کریم اور رسالتِ محمدیہ ﷺ پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں (قرآن کریم ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے)۔ اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا (اور یہ اعتراض بڑا اہم تھا) کہ جب خدا نے انبیاء سابقین (مثلاً حضرت موسیٰ وغیرہ) پر اپنے احکام نازل کر دیئے تھے، اور وہ احکام توریت وغیرہ میں موجود ہیں۔ تو پھر ان کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی

کتاب کی ضرورت کیا تھی؟۔۔۔اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ان سے کہا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلہء رشد و ہدایت حضرت نوحؑ کے زمانے سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔لیکن اس کی صورت یہ رہی ہے کہ مختلف انبیاء کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی ان میں ایک حصہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا تھا جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اُسی قوم سے ہوتا تھا جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے تھے اور اُنہیں انہی حالات میں نافذ العمل رہنا ہوتا تھا جو اُس زمانے کے تقاضے سے پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں، جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے تو ایک اور رسول آ جاتا اور وہ ان احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا۔اس طرح یہ جدید وحی اُس سابقہ وحی کی قائم مقام (ناسخ) بن جاتی۔یہ سلسلہ شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے۔چنانچہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ توریت کے کتنے احکام ہیں جنہیں حضرت عیسیٰؑ نے آ کر بدل دیا (یہ بدلے ہوئے احکام انجیل میں موجود ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے۔اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے۔تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منازل میں ان سے آگے ہوتی۔تو وہ ''روکے ہوئے'' احکام و قوانین اُس وقت نازل کر دیئے جاتے۔تنزیلِ وحی میں یہ اصول بھی کارفرما رہا۔نیز یہ مشکل بھی ہوتی کہ ایک رسول کے چلے جانے کے بعد، اس کی قوم اس کی وحی کے بعض حصوں کو ترک کر دیتی۔بعض کو فراموش کر دیتی۔اس لئے ان ترک کردہ یا فراموش کردہ حصوں کو (جن میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہ ہوتی) بعد میں آنے والے رسول کی وحی سے از سرِ نو تازہ کر دیا جاتا۔

یہود سے کہا گیا کہ وحی کا سلسلہ اس طرح چلا آ رہا ہے۔اب وہ دور آ گیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کر لے گا۔لہٰذا اب انتظام یہ کیا گیا ہے کہ:۔

(1)۔سابق انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ، دوسرے احکام و قوانین بھیج دیئے جائیں۔اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اسلئے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہوں گے۔اس لئے یہ احکام و قوانین سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

(2)۔ وہ قوانین جنہیں روک لیا گیا تھا، کیونکہ ہنوز انسانیت اس سطح پر نہیں پہنچ سکی تھی کہ انہیں سمجھ سکے یا اپنا سکے، اب انہیں بھی نازل کر دیا جاتا ہے، کیونکہ قرآن کریم انسانیت کی بلند ترین سطح تک اس کا ساتھ دے گا۔

(3)۔اور سابق انبیاء کی وحی کے وہ احکام و قوانین جنہیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا یا فراموش کر دیا تھا (یا جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی) ان کی تجدید کر دی گئی ہے۔(ان کی مثل احکام دے دیئے گئے ہیں)۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لئے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے۔اور یہ ہے وہ وجہ کہ اب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی

قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اب اس کے سوا ہدایت کی کوئی اور راہ نہیں۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (2:137)۔ اگر یہ بھی اسی طریق پر ایمان لائیں جس طرح (اے جماعتِ مؤمنین) تم لائے ہو تو پھر یہ لوگ ہدایت پا سکیں گے۔ اور اگر اس راہ سے اعراض برتیں گے تو پھر خدا کے راستے کے مخالف سمت جائیں گے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''یہ ہے ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ کے لئے وضو کرنے کا حکم ہے۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمّم کا حکم ہے (5:6)۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا۔ اور تیمّم کا حکم آگے آجائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آجائے گا۔ اور تیمّم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔''

نسخ کے موضوع پر اپنی اسی کتاب میں مزید وضاحت کرتے ہیں۔ ''یہ احکام اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔ جب وہ حالات پھر پیدا ہو جائیں جن کے ماتحت انہیں نافذ ہونا تھا' تو وہ پھر نافذ ہو جاتے ہیں۔ ''منسوخ'' اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جائے اور کبھی نافذ نہ ہو سکے۔ قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم نہیں۔'' ''اس غیر متبدل صحیفہء آسمانی کا ایک ایک حرف اپنے مقام پر اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔''

☆.....☆.....☆

شانِ نزول:۔ طلوعِ اسلام فروری 1983ء۔ صفحہ نمبر 59۔ ''ایک بات یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ جب تک' قرآن کی آیات کا شانِ نزول معلوم نہ ہو' قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ شان' نزول سے مراد یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کوئی واقعہ رونما ہوتا تھا اور اس کے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہو جاتی تھی۔ اوّل تو آپ دیکھئے کہ یہ تصور ہی قرآن کی ابدیت اور عالمگیریت کے منافی ہے۔ قرآن قیامت تک کے لئے' اور تمام نوعِ انسان کے لئے' ضابطہء ہدایت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عالمگیر انسانیت کا کوئی تقاضا ایسا نہیں جس کے متعلق اس میں راہ نمائی نہ دی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں اُنہی واقعات کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اتفاقاً رونما ہو گئے تھے تو قرآن ایک مکمل ضابطہء ہدایت کیسے ہو جائے گا؟۔ اس میں ان امور کے متعلق ہدایت نہیں مل سکے گی جو حضور ﷺ کے زمانے میں رونما نہیں ہوئے تھے۔ نیز اس سے یہ بات بھی لازم آئے گی کہ اگر رسول اللہ ﷺ دس بیس برس اور زندہ رہتے تو اس عرصہ میں کچھ اور واقعات رونما ہوتے۔ اس صورت میں موجودہ قرآن میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ لہٰذا' موجودہ قرآن کو (معاذ اللہ) ناقص بھی تصور کرنا پڑے گا۔ بنا بریں' یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے کہ قرآنی احکام

صرف اُن واقعات کے سلسلے میں نازل ہوئے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اور جب تک اُن واقعات کا علم نہ ہو قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔۔ یہ تو شانِ نزول کے عقیدہ کے متعلق اصولی بحث تھی۔ اب یہ بھی دیکھئے کہ شانِ نزول کی روایات کس قسم کی ہیں۔ سورہ حجر میں ہے کہ:۔ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ○ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۖ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (15:24-25)۔ آیت کا مفہوم واضح ہے کہ جو لوگ دنیا سے پہلے گزر چکے خدا انہیں بھی جانتا ہے۔ جو بعد میں جانے والے ہیں، وہ اُن سے بھی باخبر ہے۔ خدا ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ اس مضمون کی کئی اور آیات قرآن میں موجود ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ کتبِ احادیث کی رو سے اس آیت کی شانِ نزول کیا بیان کی گئی ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت درج کی گئی ہے کہ:۔ ایک حسین عورت (مسجد میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے آیا کرتی تھی۔ صحابہؓ میں سے کچھ لوگ تو آگے کی صف میں بڑھ جاتے تھے تاکہ اُسے نہ دیکھیں لیکن کچھ لوگ پیچھے کی صف میں شریک ہوتے تھے اور رکوع کی حالت میں بغل کے نیچے سے اسے جھانکتے رہتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ہم تم میں سے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی۔ یہ روایت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں۔ میں نے اسے مثال کے طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ کتبِ احادیث میں شانِ نزول کی روایات کس قسم کی ہیں۔ ان تصریحات سے میرا مطلب یہ نہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس اسلاف کا سرمایہ چلا آرہا ہے، اسے دریا برد کر دینا چاہیئے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اُسے لینا چاہیئے جو قرآن کے مطابق ہو۔ جو چیزیں قرآن کے خلاف ہوں اُنہیں ہمارے فہمِ قرآنی کے راستے میں روک بن کر کھڑا نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے فہم کی آزادی اور پابندی کی حدود قرآن متعین کرتا ہے اور اسی کو سند اور حجت ہونے کا حق حاصل ہے۔''

شانِ نزول کا عقیدہ:۔ پرویز صاحب نے ''شانِ نزول'' کے عقیدے کے بارے میں اپنی کتاب ''شاہکارِ رسالت'' میں لکھا ہے کہ:۔ ''شانِ نزول'' کے سلسلہ میں کہا یہ جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے فلاں تنازعہ پیش ہوا۔ اس کے متعلق اختلافِ رائے ہوا۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ اس پر خدا کی طرف سے فلاں آیت نازل ہوئی۔ اس تنازعہ، قصہ یا واقعہ کو متعلقہ آیت کی ''شانِ نزول'' کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے متعلق آیات کے ضمن میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ یہ ''شانِ نزول'' کا عقیدہ ہے۔ جس سے خدا اور اس کی کتاب کے متعلق وہ تصور پیدا ہوتا ہے، جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے سلسلہء رشد و ہدایت جاری فرمایا۔ خدا علیم ہے، حکیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسانی زندگی کے تقاضوں کے حل کے لئے کس قسم کے اصول و ضوابط کی ضرورت ہے۔ وہ ان اصول و ضوابط کو مختلف زمانوں میں، مختلف انبیائے کرامؑ کی وساطت سے نازل کرتا رہا۔ تا آنکہ اس کی مشیّت کے پروگرم کے مطابق وہ زمانہ آگیا جب ایک ایسے ضابطہء اصول و قوانین کا دیا جانا مناسب سمجھا گیا جو انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کو ہمیشہ کے لئے پورا کر سکے۔ خدا کے اس آخری، عالمگیر،

مکمل، غیر متبدّل، محفوظ ضابطۂ حیات کا نام قرآن کریم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ قرآن کریم میں دیا گیا ہے، وہ خدا کے ازلی وابدی علم پر مبنی ہے۔ یہ تمام اصول وضوابط شروع ہی سے اُس کے علم میں تھے اور اُس کی مشیّت کے پروگرام کے مطابق انہیں انسانوں تک پہنچایا جانا تھا۔ یہ ایک طے شدہ امر تھا۔ اسی طرح طے شدہ، جس طرح قوانینِ فطرت شروع ہی سے علمِ خداوندی میں موجود تھے۔ البتہ ان کا ظہور تخلیق کائنات کے ساتھ ہوا۔

یہ ہے خدا اور اُس کی کتاب کے متعلق صحیح (قرآنی) تصور۔ اس کے برعکس اگر ''شانِ نزول'' کے نظریہ کو صحیح مانا جائے تو اس کی رو سے صورت یہ سامنے آئے گی کہ:۔

(1)۔ فلاں واقعہ سرزد ہوا، جس کے متعلق فیصلہ نہ ہو پایا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ یا جو فیصلہ ہوا اسے خدا نے پسند نہ کیا، اس پر اُس نے فلاں حکم یا قانون نازل کر دیا۔ بالفاظِ دیگر، اگر وہ واقعہ رونما نہ ہوتا تو وہ حکم یا قانون نازل ہی نہ ہوتا۔ یہ محض ایک اتفاقی امر تھا کہ وہ واقعہ ظہور میں آ گیا تو یہ حکم نازل ہو گیا۔

(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔ اگر حضور ﷺ کچھ اور عرصہ تک زندہ رہتے تو ہو سکتا تھا کہ اس قسم کے اور واقعات بھی رونما ہو جاتے، جن کی وجہ سے قرآن میں کچھ اور احکام دے دیئے جاتے۔

(3)۔ اب بھی یہ ممکن ہے کہ ایسے واقعات ظہور میں آتے رہیں، جو اگر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں رونما ہوتے تو ان کے متعلق بھی خدا کی طرف سے احکام وضوابط مل جاتے۔ حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور نبوت (یعنی خدا کی طرف سے نزولِ وحی) حضور ﷺ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس لئے اب اس قسم کے واقعات کے متعلق خدا کی طرف سے راہنمائی مل ہی نہیں سکتی۔

یہ، اور اسی قسم کے دیگر سوالات (اور اعتراضات) ہیں جو ''شانِ نزول'' کے نظریہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جن کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا جا سکتا۔۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ، قرآن کریم کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے، مخالفین کی طرف سے وضع کیا گیا۔ اور اسے اس قسم کی وضعی روایات کے ذریعے عام کیا گیا۔ ورنہ قرآن کریم (جو سرتاسر علمِ الٰہی پر مبنی ہے) زمان ومکان کی حدود سے ماوراء اور واقعات وحوادث کی احتیاج سے مستغنی ہے۔ وہ ان ابدی اصول وقوانین کا مکمل مجموعہ ہے جو علمِ خداوندی میں ازل سے موجود تھے، اور جنہیں، اپنے وقت پر، انسانوں تک پہنچایا جانا مقصود تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں بہت سے واقعات کا ذکر آتا ہے۔ لیکن جو احکام ان واقعات کے ضمن میں سامنے آتے ہیں، ان کی صورت یہ نہیں کہ وہ واقعہ ظہور میں آ گیا تو وہ حکم نازل ہو گیا۔ اگر وہ ظہور میں نہ آتا تو وہ حکم بھی نازل نہ ہوتا۔'' (ایڈیشن۔ 1998ء)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کسی ایک مخصوص زمانے کے واقعات وحوادث کا پابند نہیں بلکہ وہ ہر زمانے کے ہر انسان کے لئے ہے۔ اور اگر قرآن میں کسی ایسے واقعہ کا ذکر ہے جس کا تعلق کفار یا اہلِ کتاب وغیرہ سے ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی ہدایت موجود نہیں بلکہ ایسے واقعہ یا ایسی

کسی آیت کا اطلاق مسلمانوں پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح قرآن کی اُس مخاطب قوم پر (مؤلف)۔

عبداللہ یوسف علیؒ کا نظریہ:۔ جناب عبداللہ یوسف علیؒ نے اپریل 1934ء میں اپنی انگریزی تفسیر قرآن کریم پیش کی۔ جسے گزشتہ سالوں میں حکومت سعودی عرب نے پوری دنیا میں مفت تقسیم کرایا۔ پاکستان میں جماعت اسلامی نے یہ تفسیر تقسیم کی۔ عبداللہ یوسف علی صاحب نے بھی شانِ نزول کے بارے میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ''جہاں قرآن کی کسی مخصوص آیت کو سمجھنے کے لئے کسی مخصوص واقعہ کا حوالہ دینا ضروری تھا تو میں نے بڑے اختصار سے ایسا کیا لیکن میں نے ایسے حوالے کو کسی غیر متناسب جگہ کے استعمال کی اجازت نہیں دی۔ پایا یہ جائے گا کہ ہر آیت جو کسی مخصوص موقع (Particular occasion) پر (کسی مخصوص واقعہ کے لئے) نازل ہوئی' اُس کے عمومی معانی (General meaning) بھی ہیں۔ مخصوص واقعات اور مخصوص لوگ گزر گئے مگر عمومی معانی اور ان کا اطلاق آنے والے تمام وقتوں کے لئے صحیح ہے۔ ہم چودھویں صدی کے لوگوں کا کام یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ اللہ کے پیغام میں ہمارے لئے کیا راہنمائی موجود ہے۔''

☆.....☆.....☆

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 13

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear Friends! Today is January 6, 1984 and today's lecture begins with Surah الْجِنِّ (Al-Jinn). This is beginning of chapter 72.

The meaning of الْجِنِّ (Al-Jinn) according to Arabic lexicon

Dear friends! There are certain words that the moment we hear or read them, a familiar picture suddenly pops up in our minds; and the imaginary meanings of these words completely overtake our minds. The popular meanings of these words have penetrated so deep in our consciousness that we are not prepared even to listen to, let alone find for ourselves, the true meanings of these words. Among these words is the word الْجِنِّ (Al-Jinn) that has acquired strength of epic proportions. No sooner than the word الْجِنِّ (Al-Jinn) comes on our tongues that a popular picture of a special creature pops up into our minds. Before, it was a conceptual picture that one used to imagine, but, thanks to TV, we can now see animated picture of Jinn on the screen. Through this medium our future generations will be able to see what we used to only imagine; and thus the popular meaning of Jinn that is ingrained in our minds never parts away from our consciousness. Well, you can test for yourselves: When I uttered the words "Surah Jinn" just now, then something must have popped up into your minds hearing the word "Jinn." It is important that you pay careful attention to such words and try to understand their original meanings by disassociating your minds from the popular culture. Now, take the word "Jinn" which is a word from the Arabic language and its root is ج ن ن – whose root meaning is: anything that is hidden from view. As long as a thing remains hidden from view it remains Jinn; and when it comes in view then it becomes what it actually is.

The evolution of human life – or life itself, for that matter – which went through

various stages that the Quran has described is now confirmed by science. Science has told us that life, when it went through series of stages of evolution, reached the stage of monkeys. When it proceeded further it reached the stage of chimpanzees. According to Western scientists, after this stage of evolution, life came into the form of human beings. Until now their research tells that between the chimps and humans there is a missing link. That is, there is one chain in this long process of evolution that has not been discovered yet. They are working very hard and doing research on topics related to this area that we cannot even imagine and, frankly, we do not think that this area is worth doing any research. But these scientists have gone so far in their research that they are digging the deserts of Africa and they are plowing the jungles of Australia for this. They are busy putting together small pieces of bones or stones in order to find clues to that missing link. The Quran has termed this missing link also as "Jinn" or "Jann." What to say of the Quran! Fourteen hundred years ago the Quran said in Surah Al-'Hijr:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (15:26-27) – AND, INDEED, We have created man out of sounding clay, out of dark-slime transmuted whereas the invisible beings We had created, [long] before that, out of the fire of scorching winds.

How clearly the Quran says here " مِنْ قَبْلُ " which clarifies the point that *before* the creation of man there was a creature which is no longer in view now. The Quran did not give its name but it only said that this creature is extinct from your view now.

Discoveries of science

Dear friends! Science has discovered that our own Earth was a blazing fireball at one time. Then slowly its surface started cooling off which we now call our home. But the Earth still carries within its deep belly remnants of those blazing fires in the form of molten superhot lava (with all kinds of minerals within it) which erupts to the surface from time to time. But at the time when the surface of the Earth was very hot there used to be a creature living

on it that could tolerate its extreme heat. That creature was thus a prior chain in the evolution of life on Earth that is now extinct and thus hidden from our view. This is the same creature that the Quran says was created from fire and it calls it "Jinn." After this, the evolution of life continued and perhaps the intervening period is the missing link in whose discovery the Western scientists are spending so much of their time and effort. Anyway, that was a link that is no longer related to us because it is hidden from our view. So, first, please remembering this!

The period of infancy of the human mind

Dear friends! The second thing you should remember is this: When man was in its period of infancy, human knowledge was very limited. There were many things about which he did not have any clues. This was especially the case with sickness and disease. There were plenty of superstitions surrounding diseases that required scientific knowledge to tackle them, and man was far from having that knowledge yet. Thus he used to believe that there were certain mysterious powers that take over humans and cause disease. Hysteria in woman and mental disease in men were generally considered to be in this category. Diseases like smallpox and tuberculosis were also considered to have been caused by these powers. There was no possibility of diagnosing these diseases as these had not scientifically been discovered yet? Where there was no answer for "why", then it was natural for humans to attribute it to mysterious powers that affect humans and cause disease. Because these mysterious powers were invisible, humans named them ghosts, witches, Jinn, or evil spirits. Then humans started worshipping these forces; pleading with them, bowing down before them and praying to release them from this suffering and disease. Those who were well versed in this became religious leaders of their communities. They used to come to the sick and do some religious rites in order to get rid of the ghosts which were causing the disease. The cure was as much based on ignorance as was the disease. Humans moved past this stage of ignorance also, and continued their forward journey until the light of knowledge gradually started removing

this darkness of ignorance. Then, slowly, those things, which were hidden and mysterious and could not be observed from human eyes, started revealing themselves – of course, only within the range of illumination in which this light of knowledge spread. Thus, slowly, the mysteries surrounding various diseases started to be lifted. Reasons for these diseases became known. Their diagnosis became possible. Ignorance and superstitions evaporated when knowledge arrived. Please read the history of Europe. Until yesterday Europe was drowned in the darkness of ignorance – and the similar things prevailed there: ghosts, witches, Jinn, and all kinds of evil spirits that caused diseases. But today there is nothing like this anymore in Europe due to its advancement in scientific knowledge. The West today is far ahead in scientific knowledge compared to other nations. And there is nothing like ghosts, witches, Jinn, and evil spirits there. Even hysteria that afflicts so many of our girls is being treated there using Psychiatry. The West has advanced far in all areas of medicine. They are treating many of the psychological and nervous diseases using psychoanalysis and hypnosis based on science. Many of the diseases which we attribute to witches and ghosts are nothing but diseases of the nervous system and can be cured by scientific method of power of thought and knowledge. What I am telling is not based on hearsay but I have practiced it myself and cured patients.

Allah told that the purpose of the Quran is to bring humanity from darkness to light. The mission of the Prophet was – and after him it is the responsibility of his Ummah – to bring humanity from darkness into light through the Quran. But his Ummah did not do this. But, in any case, whoever did it, in fact, did a great favor to humanity. Whichever nation has advanced in knowledge, the darkness of ignorance has slowly disappeared from that nation. Nowadays there is no disease for which there exists ignorance about "why of it." If the disease is not physical then it is psychological or related to nervous system. So far the West has come. But we are behind in the world, and seem to be in the same period of childhood where early humans were. We do not have knowledge. We have absolutely no science. Therefore, our state until now is

the same as when ghosts, witches, Jinn, and all kinds of evil spirits used to cling to humans which they could not shake off. These are the mysterious powers that we popularly call "Jinn".

The condition of people at the time of the revelation of the Quran

During the revelation of the Quran, population demographic was such that there were few cities in all of Arabia. Even now there are only two or three major cities. You can call it a continent but how many cities are there? Maybe two or three. Their names are the same as in those earlier days: Mecca, Medina, and Taif. People living in the settled cities – whom we call social animals – used to be familiar with each other. They used to call these "familiar people" "النَّاسِ" or "الاِنْسَانِ" in their language. The rest of the population there was based on nomadic Bedouins; always on the move, never settled in one place. Some time they would put their tents near some oasis, and after few days, the tribe moved to some other place few miles away. They used to carry their homes (i.e., there tents) with them. These were the types of people who used to live in deserts or jungles. Some of them used to come to the city from time to time.

Nomadic people living far away from view

I think that – those who are of our generation – may know that people we call nomads used to come to the city bringing with them monkeys or bears to entertain the city folks and disappear in the night somewhere. Their women used to visit the city going from house to house to sell tiny wares like baked-mud-toys, and then disappear somewhere in the evening. That is, one could not know wherefrom they came and whereto they disappeared. These were nomadic people living far from the cities.

In our country there were only few such populace but these nomads comprised a large percentage of the Arab population because of few cities in Arabia. Since these nomads used to live away in jungles and deep deserts hidden from the eyes from the cities, the city folks used to call them "Jinn." These are the two kinds of peoples which are meantwherever in the Quran

the words "الْجِنَّ" and "النَّاسِ" or "الْاِنْسَانِ" come: Bedouins (or hillbillies or nomads) on one side and the urbanites, on the other. There were significant differences in social, cultural, and intellectual levels between these two groups of peoples. Now these groups have mingled with one another such that there are not many differences between them anymore. Even forty or fifty years ago there used to be much difference in the society, culture, and civilization of the villagers and the city people. The urbanites did not care too much about the hillbillies. Simply saying hillbilly was enough to end any conversation. This was the case within our own subcontinent. But in Arabia there were many Bedouins tribes living as nomads in deserts who had not even seen any city!

Dear friends! Arabs were a very *perceptual* people: Those who used to vanish in deep deserts far from cities they used to call them Jinn, meaning hidden from view. In the Quran wherever: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (114:6) has come that is what it means – الْجِنَّةِ means those nomadic Bedouins who roamed around in deep deserts far away from the cities, and النَّاسِ means those who used to live in settled cities. So, in this Surah 72 the very first verse says that there was a group of Jinn who listened to the Quran and got very impressed: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ــ Say (O Muhammad): It is revealed unto me that a company of the Jinn gave ear, and they said: Lo! it is a marvelous Qur'an (72:1). They started discussion among themselves that we heard something wonderful. Some of them accepted it and others did not. In Surah A'hqaaf it says:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (46:29)

(O Prophet (PBUH)! You should not be worried that people living in urban areas are opposing your mission. We have sent you as a messenger for the entire humanity (34:28). It includes all categories of people – urban, rural, civilized, uncivilized, and nomads. The rural people and nomads are getting your attention. You will recall that once We sent you a group of nomads from the desert, so that they could listen to the Quran (72:1). When they came to

the place where the Quran was being explained, they asked each other to listen to it quietly. When the explanation was over they went back to their community and warned them about the consequences of their wrong-doings.

Dear friends! From the above it appears that those who came were either Jews or believed in some ideology similar to them because: قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ — They went back to their people and told them, "O our people! We have just listened to a book revealed (upon Muhammad) after Moses. It reaffirms what has been revealed earlier in the book of Moses. It guides human beings towards the truth and straight path leading them to their destination (46:30). From this verse it seems that these people knew that a book had been revealed earlier on Moses, and that this new book which is being revealed to the Prophet (PBUH) is confirming the message of that prior book. So, connecting all these above verses we see that these people were Jinn, i.e., they were nomads who used to live Bedouin lives hidden from the general population. It is also clear from these verses that they listened to the Quran not in an open forumbut hidden from the general public. This is because it says in verse (72:1): قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ — Allah sent to the Prophet (PBUH) the revelation that from the Bedouin tribes a group had come and listened to the Quran hidden from the public. It will be clear to you–when I proceed to the next verses in this Surah–that these were not the imaginary creatures that we normally take it by the word "Jinn". These were human beings. They had discussion and arguments among themselves. These are the things that only humans do. Some of them accepted Islam and others did not: يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ — They (i.e., Jinn) continued: "O our people! You should accept the call of this Messenger of Allah. You should profess Iman in Allah, as he says. Allah will protect you from the adverse effects of your mistakes and save you from painful suffering.

The Prophet (PBUH) was sent to human beings *only*

Dear friends! Now you should ponder: Does it make any sense to consider

these Jinn to be creatures separate from human beings as we normally do? – Especially when these Jinn listened to the Quran; that some of them said we believe in Allah, believe in the Quran, and we believe in the Prophet (PBUH)? Everywhere in the Quran it is said that the Prophet (PBUH) was sent to human beings. Nowhere in the Quran is it said that the Prophet (PBUH) was sent to humans *and* "Jinn"? So, therefore, these Jinn who professed Iman in Allah *were* human beings because the Prophet (PBUH) was sent to human beings *only*. If you suppose – as it is usually the case – that these were some different creatures other than human beings, then the question does not arise of these creatures listening to the Quran; of professing Iman; of obeying and following the Prophet (PBUH), *because* he was sent to human beings *only*. In support of this please note down few references:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

Say [O Muhammad]: "O humankind! Verily, I am a messenger of God *to all of you* (7:158).

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

NOW [as for thee, O Muhammad,] We have not sent thee otherwise than to *humankind* at large to be a herald of glad tidings and a warner (34:28). In verse (7:158) it was اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (to all of you) and here in verse (34:28) it is كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (humankind at large). The meaning of both is the same: to all human beings. That is, messengers were sent *only to human beings*. Thus it is now clearly established without any doubt – based on these references from the Quran – that these people who had heard the Quran and they professed Iman on it and then they said we obey it, *were* human beings.

الْاِنْسَانِ النَّاسِ الْجِنَّ

In the Quran these words "الْجِنَّ" and "النَّاسِ" or "الْاِنْسَانِ" appear frequently. It addresses both of these groups and tells them that this Quran (guidance and laws) is for both of you. If Jinn were not among humans then this claim of the Quran – May Allah protect – would be wrong that the Prophet (PBUH) was sent to human beings *only*. So, Jinn are also from human beings. Therefore, with these basic clarifications, there is no difficulty in understanding the Quran– where it is said that from among the Jinn a group listened to the Quran; and that they discussed among themselves and some professed Iman on it etc. Thus the Quran is not talking here about those "Jinn" (ghost,

witches etc.) that we think cling to humans and overtake them. These are our superstitions that give birth to this kind of beliefs. Although there are superstitions even among the civilized and urbanites now, but among the nomadic and Bedouin peoples these superstitions are commonplace, and they influence a large part of their life. They turn to their religious quacks and priests in every matter of their life. These beliefs have come from there. If you go to native peoples of Africa, Australia, and Brazil etc. you will find that they still practice witchcraft and voodoos and this entire superstitious superstructure is led by their "religious" leaders. They wield enormous authority over the entire population. If they do something from their own then there is no effect. But when they tell people that they are only transmitting to them what the gods in heaven have told, then people rush to them. This gives them enormous authority and control over the population. And the population remains emotionally captivated and psychologically in awe of these priests.

Condition of Muslims–far from the light of knowledge

Dear friends! Sadly, our condition is not much different. Superstitions have been, and still are, continuing among us. And the nation that received the gift of the Quran (which claimed that it would lead the world from darkness to light) – its own condition is that today it is among the most backward nations in the field of knowledge. It is as if Muslims – and we are talking of Muslim Ummah as a whole, not individual Muslims – could not advance beyond the primitive peoples. Whatever light of science Muslims have, it is borrowed, or copied, or bought from advanced nations. Whatever we have, almost of all of these are made by them. If we do not have their large electric generators all of our lights will go off. In spite of that, load shedding is common. Even today, in this age of knowledge, we are moving towards darkness: All these superstitious things to predict human destiny–numerology, lottery (*Istikharah*), geomancy, prophecy, augury, astrology, sorcery, occultism etc.–come from that age. When a scientist or scholar gives an advice it is based on understanding, on intellect, on conscious thought and knowledge. He provides evidence and proofs based on logic. But when a high priest or

religious scholar gives any advice, it is simply based on faith or belief.

Receiving knowledge directly from God

Dear friends! These high priests claim God-given (*Ludunni*) knowledge but this does not have any reality; it does not have any proof. They say: We have directly received it from God. All these people who believe in this "knowledge" always talk about heaven. This is no different from those tribal religious leaders using to claim that whatever they are telling they are getting it from the heavens.

The next thing that the Quran talks about is of great significance in terms of knowledge. Before the Quran, the Arabs were steeped in deep darkness of ignorance and superstition. But soon after the revelation of the Quran started, their religious leaders who used to make big claims about religious practices and claimed to get knowledge from the heavens, were forced to admit that now when we try to go there then we are met by raging flames of "knowledge and understanding" and are thus prevented from going there. What a change the Quran brought into the hearts and minds of these people in such a short time!

Fire of the Quran's light

What was the blazing fire whose flames were in their way? This was the fire of the Quran's light. They ran away from their superstitions; they abandoned them. But it seems they transferred them to us. We – and, ironically, even the Arabs of today are included in this "we" – now believe in everything what the Arabs of the *Jahiliyah* period used to believe. We believe in the "sacred knowledge" of our religious leaders; we believe in these high priests' claim of God-given (*Ludunni*) knowledge; we believe in prophecies. And we believe in numerology, lottery (given a scared name *Istikhaarah*), geomancy, augury, astrology, etc. So much so, that we believe in those sitting with parrots on the footpath for predicting our future destiny! How ironic and heart-wrenching!!

Parrots predicting kismet

Dear friends! What to say of a peoples' ignorance who want to hear of their destiny from parrots!? The result is that Allah installs people like them over their heads. This is what happens as a result of ignorance. The Arabs of the *Jahiliyya* period at least rose up from their dark ashes of ignorance and proclaimed: "No brothers! Now our trespass (in heaven) is not possible anymore. We are hit by a blazing fire when we try to go there. We cannot go there anymore." And let us note here that this was only the beginning of the Prophet's life; and they were saying this only after a short time while the Quran's revelation was not even complete. That means the light of the Quran's knowledge and understanding had opened their eyes of ignorance. They realized that their previous beliefs were based on superstitions and ignorance. "That phase of our life that was based on ignorance and superstitions has passed and we have entered a new era of light based on knowledge; and those who dare to try to get to heaven like we used to, then there is a blazing fire waiting to engulf them", they started saying. The Arabs of *Jahiliyya* encountered this blazing fire just after the Quran came down. But we don't seem to encounter this Quranic fire in our flight to the heavens on wings of our superstitious beliefs! We keep going, and have been going for almost 1400 long years!!

And thus the ubiquitous and pervasive meaning of "Jinn" (as separate creatures that cling to humans and overtake them)–which is promoted by our high priests of religion and mystic wizards of "wisdom"–does not let us go anywhere near the true Quranic meaning of this word. Hence, these *introductory* remarks about "Jinn". This was necessary for our correct understanding of its meaning as it relates to the Quran.

Stories of Jinn

Dear friends! You may see my book "*Tasawwuf Ki Haqeeqat*" (The Reality of Mysticism). I have given there the traditional stories of "Jinn". Please forgive me! This sinner (i.e., Myself) – in his earlier days of *Jahiliyya* (ignorance) – used to practice wizardryfor getting rid of these "Jinn"clinging to humans.

These stories abound. Here is an interesting one: There was a "Jinn" in our mosque school. He was studying in the school as "student in human form" – as you know according to our traditional beliefs and Sufi mystics,"Jinn" can take any form. One day, students were playing hide and seek in the mosque courtyard. It just happened that the "Jinn student" could not find a place to hide, so he hid himself in the mosque jug. At that, the rest of the students started shouting and crying. Then the school Master (a wizard) quieted them down, and he told the "student Jinn": Son! The secret is out! Now you please go from here. Then that "Jinn student" left from there. This happened in the mosque where I used to study. I will say it again: To get rid of *those* "Jinn" was very easy for me, and I used to do it on a regular basis. Thus, "Jinn" turning into "human" is easy to get rid of, but human turning into Jinn is very hard to get rid of, indeed:

With fervor in faith they built the mosque in a night;

But the heart is sinful and did not prostrate in years.

It is extremely difficult to get rid of "human Jinn"

These "human Jinns" do not leave us easily. They can only be gotten rid of with the light of the Quran. But these "Jinns" try their utmost that the Quranic light never reaches the people. The "human Jinns" want the people to continue to forever live in darkness of their ignorance; and then die in it. Iqbal says: *They make people accustomed to worshipping graves and become rooted in this mentality*. I normally do not mention this but you would have read in Tolu-e-Islam about Mufti Shafi of Dewband. He was the great Mufti of India and when he came to Pakistan, he became the great Mufti of Pakistan. You can read his interpretation of the Quran. This great Mufti himself has told: "There was shadow of a "Jinn" on my wife. This "Jinn" used to visit my wife and both of us know about it." So, here is the situation with us then: A great Mufti, and an interpreter of the Quran believes in "Jinn". There are countless stories about "Jinns" in our books. My dear friends! One cannot hope to get these "Jinns" out from the minds of a people who sculpted it in the first. These

"Jinns" cling to people by their "powers", and you can very well imagine what "power" means. Then please don't ask what happens to people when these "Jinns" come wearing the sacred robes of religion. It is *not possible* to get rid of them.

Dear friends! After this long introduction I come to the Surah Al-Jinn now. This Surah begins with:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۔

Say (O Messenger) to them: I have been informed through revelation (*wahi*) that a group of people from an unfamiliar wandering tribe secretly listened to the Quran and then said that we have heard something wondrous. After this, when they went to their place they started discussion among themselves. So, it is clear that this was told to Prophet (PBUH) by Allah through revelation because they had not come in front of the Prophet (PBUH) and he had not seen them. These people secretly listen to the Quran and they left.

The fictional stories of Surah Al-Jinn through narrations and hadith

My dear friends! I have presented above what the Quran has said. It is emphasized in religious circles that you should understand the Quran through narrations, hadith, and *tafsir* (interpretation). You can see the interpretation of this yourself (and the verses related to Jinn in Surah Ah-Qaaf) in Bukhari and Muslim, or you can go through the most widely accepted books of interpretation about these verses. In these interpretations you will find long fictional stories about these imaginary "Jinns" which are presented as real stories. You will find descriptions of these "Jinns"as to when did they come and where did they come from? When the story is interesting and then there are "Jinns", then don't ask how interesting the whole thing becomes!

For example, take this story. The Prophet (PBUH) was walking with the one of his great companions, Abdullah bin Masood (May Allah be pleased with him). Then suddenly the Prophet (PBUH) stopped and told him not to proceed further. Then the Prophet (PUBH) drew a circle. Do you know why? Well, let me tell you, as a digression, about myself. I also used to draw circles in my

heyday of Sufism. This was done to prevent a "Jinn" from coming inside the circle and catching someone. As long as one is inside the circle the "Jinn" cannot catch him, but the moment one gets out of the circle then the "Jinn" will catch him. Even now this kind of circle is drawn and it is attributed to the Prophet (PBUH). Coming back to the story of the Prophet (PBUH)… He told Abdullah bin Masood: "Do not get out of the circle. If you did, the "Jinns" will grab you. I am going to the "Jinns" and I am going to recite the Quran to them." Then the Prophet (PBUH) went to the "Jinns" and recited the Quran to them. The Quran, on the other hand, says that Allah revealed this news to the Prophet (PBUH) as he did not know that the Jinns had heard the Quran. But, contrary to this, the hadith says that he went to the "Jinns" and recited the Quran to them. Now, according to this hadith when the Prophet (PBUH) went to the "Jinns", they said to him that they are hungry. Then the Prophet (PBUH) gave bones and defecations as these are the "Jinn's" food. After this it is written in the hadith that these "Jinns" listened to the Quran and they returned to their tribe.

My dear friends! This is the interpretation of this verse (72:1) according to our books of hadith and books of *tafsir* (interpretations). When you find these stories in our sacred books then how can you deny these "Jinns"? There you have it: the authority of hadith and books of interpretations. In the above story it is said that these "Jinns" ـــ the Quran and they returned to their tribe.But the Quran says: ـــ After this, when they went to their place, they started discussion among themselves and started saying: "We have heard something wondrous and unique." What a word ـــ is? Of course, those wandering Bedouins could not understand what type of book is this that was sent down ـــ revelation (*wahi*). What a wondrous book this is! What does it do? ـــ They said: The gist of what we have heard ـــ is that it provides guidance to the right path (72:2). And then they said: ـــ We have thus professed Iman (conviction) on it (72:2).

"Jinn's" understanding of the Quran

Dear friends! Just imagine? Would the defecation eating "Jinns" discuss the Quran? And would they say we listened to it; that it is a unique and wondrous book; that it guides towards the right path; that we professed Iman on it? This is something to think about.

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۔

After thisthe Quran says: And they said: "No! We shall never ascribe divinity to anyone beside our Sustainer (72:2)." It is obvious that they did believe in God before this. All Arabs used to believe in God before the Quran. But they used to believe in idol worship, "Jinn" worship, and superstitions. They worshipped partners with God. Here, in this verse, they are saying that, no, from now we will not believe in this. This Book teaches that there are no partners with God: وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا "For [we know] that sublimely exalted is our Sustainer's majesty: no consort has He ever taken unto Himself, nor a son (72:3)!" From this verse it is obvious that they were Christians since they are saying that God has a wife as well as a son. And now they are saying: "May God forgive us! We were indeed misguided; that God is beyond these things."It looks therefore from the above that this was the final outcome of the teachings of the Quran that they understood. It is not necessary that they listened to the Quran only once; and the Quran does not say more about this. It mentions this only as an episode; and then it tells that this was revealed to the Prophet (PBUH) through revelation (*wahi*) as he did not know that the Bedouins had وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا secretly listened to the Quran. Then it says: "And [now we know] that the foolish among us were wont to say outrageous things about God (72:4) such as belief that God has wife and son; and that there are other gods as partners with him. These kinds of things were common among us but we were very foolish. These things are entirely against common sense and reason. The correct concept of God comes وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا from the Book that we have listened." Now the Quran says:

"And we were mistaken when we thought that neither man nor those among nomadic Bedouin tribes would ever tell a lie about God. We were mistaken when we thought that neither the religious priests from our remote hidden places nor those more famous religious leaders from the وَّاَنَّهٗ

towns would ever lie, would ever attribute a lie to God. We thought– –that at least they will not do this. But, we were affected by the wrong beliefs that they had spread. We simple and naïve people used to believe that human beings, whether living in urban areas or away in desert, would not dare to attribute anything false Allah Almighty."

All this was propaganda of religious priesthood

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ـــ

The Quran continues: "In fact, what happened was that people from urban areas, came to live with us and taught us such foolish beliefs. Thus superstition became part of our culture. When population of urban areas started mixing with tribal areas then the religious leaders started spreading their false beliefs among us." Very soon this fictional narratives spread into the nomadic communities and increased their confusion among the population at large. Then

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ـــ

"The religious leaders started telling us: Your belief that no messenger will ever come to this part of the world (i.e. in Arabia) was correct. They said that they also believed the same thing. Accordingly, under these circumstances, our soothsayers became our religious leaders. And whatever they said was taken to be true, e.g., that whatever "holy" messages which have come down to us from our ancestors should be considered as the last message; that believing this was believing in God; that this was the last revelation from God. And therefore, no messenger will come." These things were spread among us. But whatever we have now heard has gone further. *This* is new messenger. *This* is a new Book.

Before, our soothsayers and our priests were fortunetelling our kismet by using oracles, stars and superstitious occults and magic. They used to tell their people that they are bringing news from the heavens for us. But now they say: "After the Quran we are convinced that bringing news from heavens is impossible for human beings. Now, the situation is such that, what to say of reaching the heaven, we find that there are security guards on the way and blazing flames that do not allow us to go there."

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ـــ

"notwithstanding that we were established in positions [which

we had thought well-suited] to listening to [whatever secrets might be in] it: and anyone who now [or ever] tries to listen will [likewise] find a flame (of knowledge, logic, and reason) lying in wait for him (72:9)!"

Dear friends! I mentioned earlier that all these religious priests who pretend to be scholars do not say anything on their own. They claim that they get this knowledge from God which they then pass it on to people. Because of this trickery they have been able to carve a high status in the community and able to implant great respect for themselves in the hearts of people. They claim that human kismet is decided in heaven and they are able to listen to that decision. They brainwash people into thinking that they command invisible forces that are able to reach heaven and waylay and listen to heavenly talks through these invisible forces, which they then transmit to people. But, according to these verses, we now see that the situation changed. These nomadic Arab Bedouins who had secretly listened to the Quran say that, now, that is no longer possible; that if someone predicts human kismet then he is lying. Now, no one can reach the heavens anymore. Now, no one can bring any news from there; not even an inkling of this! This can't happen as no one is allowed anywhere near it anymore.

Ignorant talks based on superstition

My dear friends! Now you see? What we traditionally understand by "Jinn" and what this word *actually* means in Surah Al-Jinn? We still believe in all these ghosts, witches, and *Jinnaat* that we have mentally crafted since childhood. And we continue to believe in the notion that they do this or that, or they assume this or that form. But all these things are based on nothing but superstitions. This Surah, Al-Jinn, in fact, has come to wipe out all these superstitious beliefs from our minds. This Surah, indeed, wiped out not only the existence of *Jinnat*–a product of human imagination–but it also wiped out our beliefs in making prophecies based on numerology, geomancy, prophecy, augury, astrology, sorcery, and occultism. The nomadic Bedouins at least understood this and admitted that all these were based on superstitions; that this was a period of their ignorance. They admitted that

they used to believe and practiced these things but that that period has gone. How in a beautiful way the Quran refuted all these wrong beliefs and superstitions!?

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا — (72:10)

The Quran says about them:

"Whatever we have done before about God we cannot know its result. But it seems that destruction will come because attributing such wrong beliefs about God, concocting wrong ideas and inventing superstitions and saying that they are from God – these are not some small crimes? These are major crimes. It seems though that destruction will come but we cannot say that we will be saved because we have now rejected those false ideas. Also, we do not know what God will do to our religious leaders. Only God knows whether He will destroy them or He will accept their repentance. We cannot say with certainty what the outcome of the Quranic revolution will be. Will the people who oppose it perish; or will they attain a life of [illegible] وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا the right course." The Quran continues further:

(72:11) "We are saying this because people do not have the same mentality, nor do they follow the same path. Some of us are noble and others are different. As different people take to divergent courses, their reactions too would vary. There is therefore the possibility of struggle which can result in [illegible] وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا understood how strong the power of God is."

(72:12) – "We now realize that Allah's sovereignty is so powerful that we can neither defeat Him in our country, nor can we escape to a place outside His jurisdiction because His law of requital operates everywhere."

Fighting Allah's law

Those Bedouins admitted their past beliefs were wrong. They said: "Allah's law of requital is present everywhere. We are convinced now that destructive consequences of wrong actions are certainly produced by Allah's law of requital. Neither one can stop them from producing its result nor one can run away anywhere to avoid its grip." So, there are only two ways: Either be with Allah (i.e., be aligned with the law of Allah) or oppose and fight and try to

defeat His law. This is one way. Or, the other way is to run away somewhere that is outside of the operating boundary of this law. In the world it is possible that if there is a danger of being arrested in one nation then one can run away to another nation where it is safe. But here in verse (72:12) the Quran says that Allah's sovereignty and power is over entire Universe and Heavens so one can neither escape from His grip nor defeat Him? So beware! Hand of God is extremely severe in its grip! So, those Bedouin's continued: "We have reached the conclusion that it is in our interests to accept these laws." (72:13) "This was the reason when we heard the Quranic guidance, we believed in its truth."

(72:13) – "And he who believes in his Sustainer need never have fear of loss or injustice. He will never suffer humiliation. He will be fully rewarded for his deeds and live a life of dignity and honor." The Quran has told that being humiliated in this world is a punishment from Allah.

(72:14) "Yet [it is true] that among us are such as have surrendered themselves to the laws of Allah - just as there are among us such as have abandoned themselves to wrongdoing and injustice. Now as for those who surrender themselves to Him - it is they that have attained to consciousness of what is right and true guidance. So, it is not just to have conviction in the laws of Allah essential to continue to struggle and act according to them." (72:15) – "But as for those who abandon themselves to wrongdoing - they are indeed but fuel for the fires of hell!"

Dear friends! Those nomadic Bedouins who went back to their tribe after listening to the Quran and had discussions among themselves, the Quran has quoted their discussions verbatim in these verses (72:1-15) that we have covered in today's lecture. After this another topic starts. Today we completed up to verse 15 of Surah Al-Jinn. We will continue with verse 16 in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)